ماہنامہ

# اشراق

لاہور

اکتوبر ۲۰۱۶ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

”...جنھیں خدا کی یاددہانی کرائی جائے تو اُس کے حضور میں پیشی کے اندیشے سے لرزاں وترساں ہو جاتے، قرآن سنایا جائے تو آنسو بن کر بہ نکلتے، پیغمبر کو دیکھ لیں تو سراپا اطاعت بن جاتے اور انسانوں کی طرف متوجہ ہوں تو مجسم شفقت و محبت ہو کر اُن سے متعلق ہر حق کو انصاف کے ساتھ، بلکہ اِس سے آگے بڑھ کر احسان کے جذبے سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنت اِسی نرمی، لطافت اور خدا ترسی کا صلہ ہے۔ سختی، درشتی، خشونت اور قساوت اِس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔“

—— معارف نبوی

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

# المورد

ادارۂ علم و تحقیق

**المورد** ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

**المورد** کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

# فہرست


**شذرات**

| | | |
|---|---|---|
| جمہوریت کے خلاف ایک غلط استدلال | سید منظور الحسن | ۴ |

**قرآنیات**

| | | |
|---|---|---|
| البیان: بنی اسرائیل ۱۷: ۱-۸ (۱) | جاوید احمد غامدی | ۹ |

**معارف نبوی**

| | | |
|---|---|---|
| جنت کے اعمال (۳) | جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس | ۱۶ |

**مقالات**

| | | |
|---|---|---|
| حدیث وسنت کی حجیت: مدرسۂ فراہی کے موقف کا تقابلی جائزہ (۳) | سید منظور الحسن | ۳۴ |

**نقطۂ نظر**

| | | |
|---|---|---|
| بعد از موت (۱۲) | رضوان اللہ | ۴۸ |
| حروف مقطعات اور نظریۂ فراہی کے اطلاقات (۲) | عدنان اعجاز | ۵۵ |

**سیر و سوانح**

| | | |
|---|---|---|
| حضرت ام سلمہ بنت ابو امیہ رضی اللہ عنہا (۲) | محمد وسیم اختر مفتی | ۷۰ |

**یسئلون**

| | | |
|---|---|---|
| خوابوں کی حقیقت (۲) | جاوید احمد غامدی / رانا معظم صفدر | ۷۸ |

**ادبیات**

| | | |
|---|---|---|
| غزل | جاوید احمد غامدی | ۸۲ |

# شذرات

سید منظور الحسن

# جمہوریت کے خلاف ایک غلط استدلال

جو لوگ جمہوریت کو خلاف اسلام قرار دیتے ہیں، اُن کا استدلال قرآن مجید کی حد تک ان دو دلائل پر مبنی ہے:

ایک یہ کہ سورۂ انعام میں متنبہ کیا ہے کہ اگر لوگوں کی اکثریت کی بات مانی جائے تو وہ اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیتے ہیں۔ جمہوریت کا پورا نظام چونکہ اکثریت کی رائے پر استوار ہے، اِس لیے یہ اپنی اساس ہی میں اسلام کے منافی ہے۔

دوسرے یہ کہ سورۂ نساء میں اور بعض دوسرے مقامات پر اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ انسانوں پر انسانوں کی رائے کی نہیں، بلکہ قرآن و سنت کے احکام کی حکومت قائم ہے۔ جمہوریت، اس کے برعکس عوامی رائے کی بالادستی کا نام ہے۔ چنانچہ اِس طرز حکومت کو اختیار کرنے سے قرآن و سنت کی بالادستی قائم نہیں رہتی۔

یہ دونوں، بلاشبہ قرآن مجید ہی کے ارشادات ہیں اور ہر لحاظ سے برحق اور واجب التعمیل ہیں، مگر ان سے جمہوریت کی مخالفت پر استدلال درست نہیں ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ. (۶: ۱۱۶)

”زمین والوں میں زیادہ ایسے ہیں کہ اُن کی بات مانو گے تو تمھیں خدا کے راستے سے بھٹکا کے چھوڑیں گے۔ یہ محض گمان پر چلتے اور اٹکل دوڑاتے ہیں۔“

یہ آیت اصول کا نہیں، امر واقعی کا بیان ہے۔ اِس میں یہ حقیقت نمایاں کی گئی ہے کہ لوگوں کی اکثریت بالعموم گمراہی پر کھڑی ہوتی ہے، لہٰذا اگر اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اُن کی پیروی کی تو وہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ بیش تر لوگ رسوم و رواج کے پابند اور آبائی طور طریقوں کے پیرو ہوتے ہیں۔ وہ محکم دلائل پر کھڑے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نہیں ہوتے، بلکہ قیاس آرائیوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور علم واستدلال کے بجاے ظن وگمان کو بنیاد بناتے ہیں۔ اُن کے نظریات، اُن کے تصورات، اُن کے افکار، اُن کے اعمال، سب واہموں، اندازوں اور اٹکلوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ لہٰذا حق کے متلاشی کو یہ روش اختیار نہیں کرنی چاہیے کہ چونکہ زیادہ لوگ فلاں بات کہہ رہے ہیں، اِس لیے وہی صحیح اور لائق اتباع ہے۔ اِس کے بجاے اللہ کی ہدایت کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانا چاہیے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اِس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

''یعنی بیش تر لوگ جو دنیا میں بستے ہیں، علم کے بجائے قیاس وگمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کے عقائد، تخیلات، فلسفے، اصول زندگی اور قوانین عمل، سب کے سب قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں، بخلاف اس کے اللہ کا راستہ، یعنی دنیا میں زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ جو اللہ کی رضا کے مطابق ہے، لازماً صرف وہی ایک ہے جس کا علم اللہ نے خود دیا ہے نہ کہ وہ جس کو لوگوں نے بطور خود اپنے قیاسات سے تجویز کر لیا ہے۔ لہٰذا کسی طالب حق کو یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ دنیا کے بیش تر انسان کس راستہ پر جا رہے ہیں، بلکہ اسے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ پر چلنا چاہیے جو اللہ نے بتائی ہے، چاہے اس راستہ پر چلنے کے لیے وہ دنیا میں اکیلا ہی رہ جائے۔'' (تفہیم القرآن ۱/ ۵۷۵)

مدعا یہ ہے کہ کسی راے کی تائید میں لوگوں کی تعداد کی کثرت اُس کے مبنی برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے، لہٰذا اُن کی اکثریت کو کبھی حق و باطل اور ہدایت وضلالت کا معیار نہیں بنانا چاہیے۔ یعنی کسی بات کے حق یا باطل اور صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ علم واستدلال کی بنیاد پر کرنا چاہیے، اکثریت یا اقلیت کی بنا پر نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ اگر کوئی انبوہِ کثیر کسی بات کا پرچار کر رہا ہو تو محض اُس کی کثرت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین نہیں کر لینا چاہیے کہ اُس کی بات مبنی برحق ہے، بلکہ اُسے دین ودانش کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے اور اُسی بات کو قبول کرنا چاہیے جو اللہ کی ہدایت کے مطابق ہو۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

''اکثریت کا غوغا اُس کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اِس بھیڑ کو دیکھ کر کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ یہ پتا اللہ کو ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور کون ہدایت یاب ہیں۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۱۴۵)

اب دوسری آیت کو لیجیے۔ سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا ہے:

| | |
|---|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِي الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِيۡ شَيۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ. (۵۹:۴) | ''ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر تمھارے درمیان اگر کسی معاملے میں اختلاف راے ہو تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا |



www.javedahmadghamidi.com

دو۔‘‘

اِس آیت میں بجا طور پر اللہ اور رسول کے احکام کی بالا دستی کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت دین کی اساس ہے۔ مسلمان جب تک مسلمان ہے، اِس سے انحراف نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اِس کا کوئی سوال ہی نہیں ہے کہ انسانوں کا کوئی ادارہ یا اُن کی کوئی جماعت یا اُن کی اکثریت یا تمام بنی نوع انسان اللہ اور رسول کے مقابلے میں اپنی اطاعت کا مطالبہ کریں اور وہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے اُن کے اِس مطالبے کو تسلیم کر لے۔ ہر گز نہیں، یہ اُس کے ایمان کے منافی ہے۔ چنانچہ اُسے اپنی انفرادی زندگی میں بھی اللہ اور رسول کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی اُن کی اطاعت کرنی ہے۔

استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی نے اِس آیت کو اپنی کتاب ’’میزان‘‘ میں اسلام کے قانون سیاست کے بنیادی اصول کے طور پر رقم کیا ہے اور اِس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کا حکم قیامت تک کے لیے ہے، لہٰذا مسلمانوں کے نظم اجتماعی پر اللہ اور رسول کے احکام کی مستقل بالا دستی قائم ہے۔ نظم اجتماعی کے تمام اداروں کے اختیارات اِس اطاعت کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے نظم اجتماعی میں اِس کی قطعاً گنجایش نہیں ہے کہ اللہ اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یا اُنھیں نظر انداز کر کے کوئی قانون وضع کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

’’یہ حکم اُس وقت دیا گیا جب قرآن نازل ہو رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس مسلمانوں کے درمیان موجود تھے اور وہ اپنے نزاعات کے لیے جب چاہتے، آپ کی طرف رجوع کر سکتے تھے۔ لیکن صاف واضح ہے کہ اللہ و رسول کی یہ حیثیت ابدی ہے، لہٰذا جن معاملات میں بھی کوئی حکم اُنھوں نے ہمیشہ کے لیے دے دیا ہے، اُن میں مسلمانوں کے اولی الامر کو، خواہ وہ ریاست کے سربراہ ہوں یا پارلیمان کے ارکان، اب قیامت تک اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اولی الامر کے احکام اِس اطاعت کے بعد اور اِس کے تحت ہی مانے جا سکتے ہیں۔ اِس اطاعت سے پہلے یا اِس سے آزاد ہو کر اُن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمان اپنی ریاست میں کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتے جو اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہو یا جس میں اُن کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ اہل ایمان اپنے اولی الامر سے اختلاف کا حق بے شک رکھتے ہیں، لیکن اللہ اور رسول سے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا، بلکہ اِس طرح کا کوئی معاملہ اگر اولی الامر سے بھی پیش آ جائے اور اُس میں قرآن و سنت کی کوئی ہدایت موجود ہو تو اُس کا فیصلہ لازماً اُس ہدایت کی روشنی ہی میں کیا جائے گا۔‘‘ (۴۸۲)

یہ اِن آیتوں کا مفہوم و مدعا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا محض خلط مبحث اور سوء فہم ہے کہ جمہوریت کو اپنانے سے گمراہی کا

راستہ کھلتا ہے اور قرآن وسنت کی بالادستی کا تصور قائم نہیں رہتا۔ جمہوریت بذاتِ خود 'اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ' (اُن کا نظام باہمی مشورے پر مبنی ہے) کے قرآنی اصول پر مبنی ہے جس کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اگر اجماع و اتفاق سے فیصلہ نہ ہو سکے تو اکثریت کی رائے کو فیصلہ کن مان لیا جائے۔ چنانچہ اِس اصول کے تحت جمہوری طرزِ حکومت کو اختیار کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عوام یا اُن کے نمایندوں کی اکثریت کے فیصلوں کو عین حق تسلیم کر لیا گیا ہے، بلکہ یہ ہیں کہ فصل نزاعات کے لیے عملاً اکثریتی رائے کو فیصلہ کن مان لیا گیا ہے، اور ہر شخص کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اُس سے اختلاف کا اظہار کرے اور اُس کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرے۔ اِسی طرح اِس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ پارلیمنٹ کو یہ اختیار مل گیا ہے کہ وہ قرآن وسنت سے بالاتر ہو کر یا اُنھیں نظر انداز کر کے قانون وضع کرے۔ وہ اگر مسلمانوں کی نمایندہ ہے تو اُسے لازماً اپنے اختیارات کو 'اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ' کے تحت استعمال کرنا ہوگا۔

اِس بات کو ایسے سمجھنا چاہیے کہ اگر ایک عدالتی بینچ نے کسی مقدمے کا فیصلہ کثرت رائے کی بنا پر کیا ہے تو اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس نے قانون کی بالادستی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اختلاف کی صورت میں فیصلے کو روبہ عمل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہی معاملہ مسلمانوں کی ریاست یا اُن کے نظم اجتماعی کا ہے۔ اِس میں جب شہریوں کی اکثریتی رائے کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے تو اِس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہوتے کہ اِس کے نتیجے میں اُن کی رائے کی برتری علم واستدلال اور قرآن وسنت پر بھی قائم ہو گئی ہے۔ اِس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قرآن وسنت کی بالادستی کو قائم رکھتے ہوئے متنازع اور اختلافی معاملات میں اکثریت کے فیصلے کو نافذ کیا گیا ہے۔ استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

> ''اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ' کے اصول کا تقاضا صرف یہ ہے کہ فصل نزاعات کے لیے اکثریت کی رائے کو عملاً فیصلہ کن مان لیا جائے۔ اِس کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ اُس رائے کو صحیح بھی مانا جائے اور اُس کی غلطی لوگوں پر واضح کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ دنیا کے تمام دساتیر اور آئینی دستاویزات میں ترمیم کا حق اِسی لیے دیا جاتا ہے کہ ان کی کوئی چیز صحیفۂ آسمانی نہیں ہوتی۔ اہل علم کا فرض ہے کہ برابر اِن کا جائزہ لیتے رہیں اور اگر کہیں کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اُس کو درست کرانے کی جدوجہد کریں۔'' (مقامات ۲۲۷)

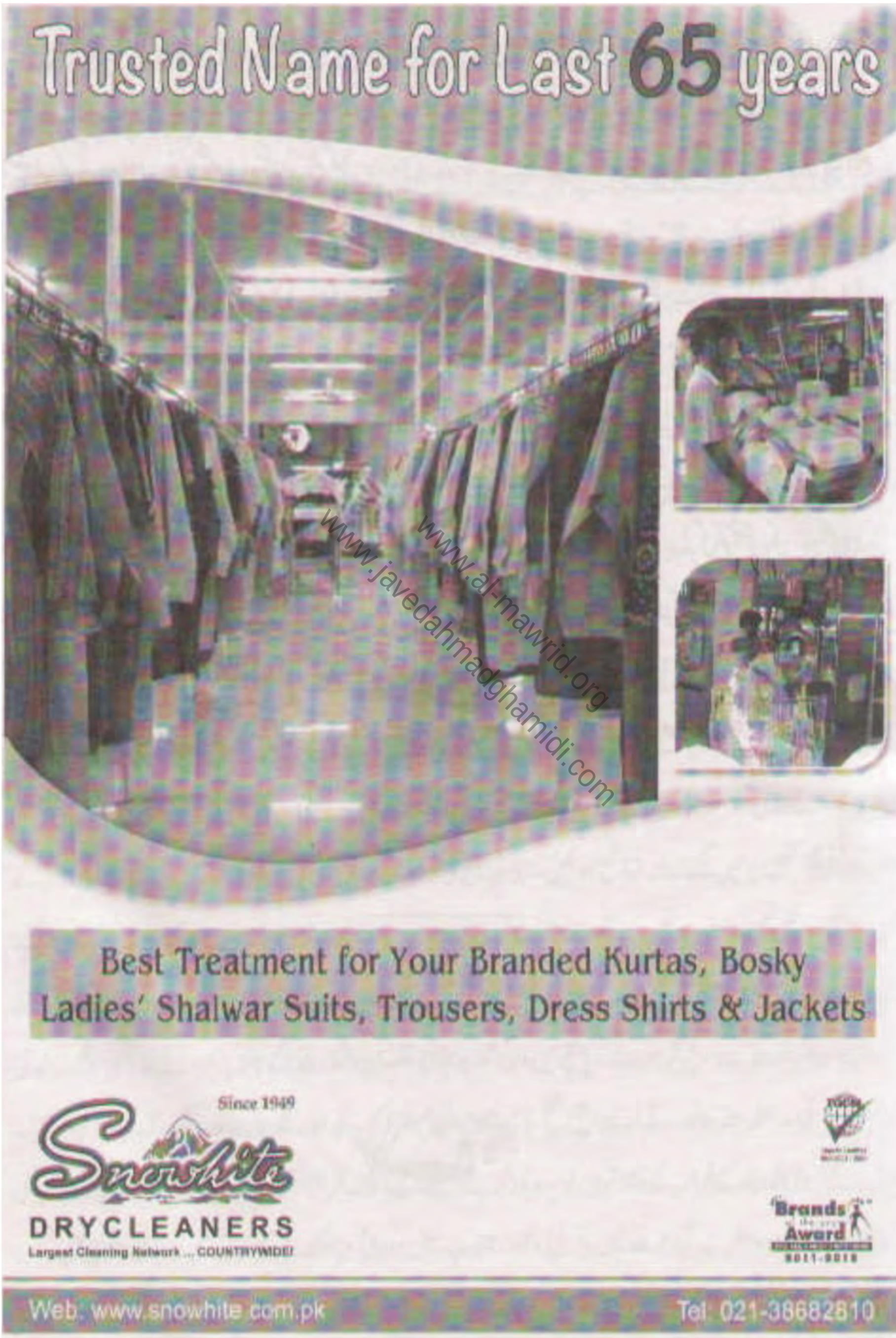


www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

# قرآنیات

## البیان
جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## سورۃ بنی اسرائیل

(۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا

۲

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے

ہر عیب سے پاک ہے[۱۱۰] وہ ذات جو اپنے بندے کو[۱۱۱] ایک رات مسجد حرام سے اُس دور کی مسجد[۱۱۲] تک لے

۱۱۰؎ اصل میں لفظ 'سُبۡحٰن' ہے۔ یہ تنزیہہ کا کلمہ ہے جو خدا کے باب میں کسی سوءظن یا غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے آتا ہے۔

۱۱۱؎ آیت میں لفظ 'عَبۡدِہٖ' استعمال ہوا ہے۔ اِس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"...اِس موقعے پر حضور کے لیے اِس لفظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور کے غایت درجہ اختصاص، آپ کے ساتھ اللہ کی غایت درجہ محبت اور آپ کے کمال درجہ عبدیت کی دلیل ہے۔ گویا آپ کی ذات کسی اور تعریف و تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ لفظ 'عَبۡد' نے خود انگلی اٹھا کر ساری خدائی میں سے اُس کو ممیّز کر دیا جو اِس لفظ کا حقیقی محمل و مصداق ہے۔" (تدبر قرآن ۴/ ۴۷۴)

۱۱۲؎ اِس سے یروشلم کی مسجد مراد ہے جسے بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ یہ حرم مکہ سے کم و بیش ۴۰ دن کی مسافت پر تھی۔ اِس کا تعارف اِسی بنا پر 'اَلۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا'، یعنی 'دور کی مسجد' کے الفاظ سے کرایا ہے تاکہ مخاطبین کا ذہن



www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴿۱﴾

گئی جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے[۱۱۳] تاکہ اُس کو ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں[۱۱۴]۔ بے شک، وہی سمیع و بصیر ہے[۱۱۵]۔ ۱

آسانی سے اِس کی طرف منتقل ہو سکے۔

۱۱۳؎ اصل الفاظ ہیں: 'الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ'۔ ابراہیم علیہ السلام کی بابل سے ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو مقامات کا انتخاب کیا، جہاں خود اُس کے حکم سے دو مسجدیں تعمیر کی گئیں اور اُنھیں پورے عالم کے لیے توحید کی دعوت کا مرکز بنا دیا گیا۔ ایک سرزمین عرب اور دوسرے فلسطین۔ اِن میں سے پہلا مقام وادی غیر ذی زرع اور دوسرا انتہائی زرخیز ہے۔ قدیم صحیفوں میں اِسی بنا پر اُسے دودھ اور شہد کی سرزمین کہا گیا ہے۔ 'الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ' کے الفاظ سے قرآن نے اِسی طرف اشارہ کیا ہے اور اِس طرح بالکل متعین کر دیا ہے کہ دور کی جس مسجد کا ذکر ہو رہا ہے، وہ یروشلم کی مسجد ہے۔ فرمایا کہ خدا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے اُس دور کی مسجد تک لے گیا۔ یہ لے جانا کس طرح ہوا؟ قرآن نے آگے اِسی سورہ کی آیت ۶۰ میں بتا دیا ہے کہ یہ ایک رؤیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ جس مقصد سے اختیار کیا، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اُس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''...رؤیا کا مشاہدہ چشم سر کے مشاہدے سے زیادہ قطعی، زیادہ وسیع اور اُس سے ہزارہا درجہ عمیق اور دوررس ہوتا ہے۔ آنکھ کو مغالطہ پیش آ سکتا ہے، لیکن رویاے صادقہ مغالطے سے پاک ہوتی ہے؛ آنکھ ایک محدود دائرے ہی میں دیکھ سکتی ہے، لیکن رؤیا بہ یک وقت نہایت وسیع دائرے پر محیط ہو جاتی ہے؛ آنکھ حقائق و معانی کے مشاہدے سے قاصر ہے، اُس کی رسائی مرئیات ہی تک محدود ہے، لیکن رؤیا معانی و حقائق اور انوار و تجلیات کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/۴۷۶)

۱۱۴؎ یعنی اِس بات کی نشانیاں کہ حرم مکہ کے ساتھ اب فلسطین کی سرزمین اور اُس کی امانت بھی بنی اسمٰعیل کے سپرد کر دی جائے گی۔ تاہم اِن نشانیوں کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی، اِس لیے کہ نہ الفاظ اِس تفصیل کے متحمل ہو سکتے ہیں اور نہ وہ ہمارے علم و عقل اور تصورات کی گرفت میں آ سکتی ہیں۔

آیت میں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ اوپر کی بات غائب کے صیغے سے بیان ہوئی ہے اور یہاں متکلم کا صیغہ آ گیا ہے۔ اِس میں اسلوب بیان کی یہ بلاغت ہے کہ متکلم کا صیغہ التفات خاص کو ظاہر کر رہا ہے، جبکہ اوپر تفخیم شان مقصود تھی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴿۲﴾ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾

(سو اُن کا عہد تمام ہوا جو اِس دور کی مسجد کے نگہبان بنائے گئے)۔ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی[116] اور اُس کو (اُنھی) بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا تھا، اِس تاکید کے ساتھ کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔[117] اے اُن لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا۔[118] اِس میں شک نہیں کہ وہ (ہمارا) ایک شکر گزار بندہ تھا۔ ۲-۳

جیسے غائب کے صیغے سے ظاہر فرمایا ہے۔

۱۱۵ آیت کے شروع میں لفظ 'سُبْحٰن' جس پہلو سے آیا ہے، یہ صفات اُس کی وضاحت کر رہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ہی سمیع و بصیر ہے تو یہ اُسی کا کام تھا کہ اُن بدعہدوں کا محاسبہ کرے جنھوں نے، سیدنا مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں، اُس کے گھر کو چوروں کا بھٹ بنا ڈالا ہے۔ بنی اسرائیل اِس گھر میں جو کچھ کہتے اور کرتے رہے ہیں، اُس کو سننے اور دیکھنے کے بعد یہی ہونا تھا۔ چنانچہ خدا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اِس گھر کی امانت اب نبی امی کے حوالے کر دی جائے گی۔ آپ کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے یہاں تک اِسی مقصد سے لایا گیا ہے۔ خدا ہر عیب سے پاک ہے، لہٰذا وہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ ایک قوم کو لوگوں پر اتمام حجت کے لیے منتخب کرے اور اُس کی طرف سے اِس درجے کی سرکشی کے باوجود اُسے یوں ہی چھوڑے رکھے۔ ناگزیر تھا کہ پیش نظر مقصد کے لیے وہ کوئی دوسرا اہتمام کرے۔ اُس نے یہی کیا ہے اور عالمی سطح پر دعوت و شہادت کی ذمہ داری بنی اسمٰعیل کے سپرد کر دی ہے۔

۱۱۶ یعنی تورات عطا فرمائی تھی۔

۱۱۷ یہ ایک جملے میں اُس دعوت کا خلاصہ ہے جس کے بنی اسرائیل امین بنائے گئے تھے۔ توحید پر ایمان کا اولین تقاضا یہی ہے کہ خدا کے سوا کسی کو کارساز نہ بنایا جائے اور صرف ایک خدا پر بھروسا کر کے اپنے تمام معاملات اُس کے حوالے کر دیے جائیں۔ تورات میں بھی یہ تعلیم جگہ جگہ اور نہایت واضح الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ دین کی تعلیمات میں اِس کی حیثیت ایک مرکز ثقل کی ہے اور تمام شریعت کی بنیاد بھی یہی ہے۔

۱۱۸ مطلب یہ ہے کہ تم اُنھی باقیات الصالحات کی اولاد ہو جو توحید پر سچے ایمان کی وجہ سے کشتی پر سوار کرائے گئے اور خدا کے عذاب سے بچا لیے گئے تھے۔ اپنی یہ تاریخ ہمیشہ یاد رکھو اور اپنے ابوالآبا نوح علیہ السلام کی طرح تم

وَقَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ فِى الۡـكِتٰبِ لَـتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ﴿۴﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰٮهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ

بنی اسرائیل کو ہم نے اِسی کتاب میں اپنے اِس فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا[119] کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے[120] (لہٰذا دونوں مرتبہ سخت سزا پاؤ گے)۔ پھر (تم نے دیکھا کہ) جب اُن میں سے پہلی بار کے وعدے کا وقت آجاتا ہے[121] تو ہم تم پر اپنے ایسے بندے اٹھا کر مسلط کر

بھی خدا کے شکر گزار بندے بن کر اُس کی توحید پر قائم رہو۔

۱۱۹؎ اصل الفاظ ہیں: 'وَقَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ'۔ اِن میں 'قَضَيۡنَا' کے بعد 'اِلٰى' کا تقاضا ہے کہ اُسے کسی ایسے فعل پر متضمن مانا جائے جو اِس صلہ سے مناسبت رکھنے والا ہو۔ یہ 'أبلغنا' یا اِس کے ہم معنی کوئی فعل ہو سکتا ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

۱۲۰؎ یعنی خدا کے مقابلے میں سرکشی دکھاؤ گے اور اُس کی شریعت سے بغاوت کر دو گے۔ قرآن میں لفظ 'فَسَاد' اِس مفہوم کے لیے بھی آیا ہے۔ اِس کے بعد 'فنعذبكم مرتين' یا اِس کے ہم معنی الفاظ آیت میں حذف ہو گئے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات بالکل واضح بھی تھی اور آگے جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ بھی اِسی پر دلالت کر رہا تھا۔ تورات میں یہ تنبیہ اور اِس کے نتیجے میں ملنے والی سزا کی تفصیلات استثنا کے باب ۲۸ میں دیکھ لی جا سکتی ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"...اور چونکہ تو باوجود سب چیزوں کی فراوانی کے فرحت اور خوش دلی سے اپنے خدا کی عبادت نہیں کرے گا، اِس لیے بھوکا اور پیاسا اور ننگا اور سب چیزوں کا محتاج ہو کر تو اپنے دشمنوں کی خدمت کرے گا، جن کو خداوند تیرے برخلاف بھیجے گا اور غنیم تیری گردن پر لوہے کا جوآ رکھے رہے گا، جب تک وہ تیرا ناس نہ کر دے۔ خداوند دور سے، بلکہ زمین کے کنارے سے ایک قوم کو تجھ پر چڑھا لائے گا جیسے عقاب ٹوٹ کر آتا ہے۔ اُس قوم کی زبان کو تو نہیں سمجھے گا۔ اُس قوم کے لوگ ترش رو ہوں گے جو نہ بڈھوں کا لحاظ کریں گے نہ جوانوں پر ترس کھائیں گے۔ اور وہ تیرے چوپایوں کے بچوں اور تیری زمین کی پیداوار کو کھاتے رہیں گے، جب تک تیرا ناس نہ ہو جائے۔ اور وہ تیرے لیے اناج یا مے یا تیل یا گائے بیل کی بڑھتی یا تیری بھیڑ بکریوں کے بچے کچھ نہیں چھوڑیں گے، جب تک وہ تجھ کو فنا نہ کر دیں۔ اور وہ تیرے تمام ملک میں تیرا محاصرہ تیری ہی بستیوں میں کیے رہیں گے، جب تک تیری اونچی اونچی فصیلیں جن پر تیرا بھروسا ہو گا، گر نہ جائیں۔ تیرا محاصرہ وہ تیرے ہی اُس ملک کی سب بستیوں میں کریں گے

فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّیَارِ وَکَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدۡنَا لَکُمُ الۡکَرَّۃَ عَلَیۡہِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ وَجَعَلۡنٰکُمۡ اَکۡثَرَ نَفِیۡرًا ﴿۶﴾ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ

دیتے ہیں[۱۲۲] جو نہایت زور آور تھے۔ سو وہ تمھارے گھروں کے اندر گھس پڑے اور وعدہ پورا ہو کے رہا۔[۱۲۳] پھر ہم نے تمھاری باری اُن پر لوٹا دی اور اموال و اولاد سے تمھاری مدد کی اور تمھیں ایک بڑی جماعت بنا دیا۔[۱۲۴] (یہ تمھارے لیے سبق تھا کہ) اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنے لیے اچھا کرو گے

جسے خداوند تیرا خدا تجھ کو دیتا ہے۔'' (۴۷-۵۲)

''...اور چونکہ تو خداوند اپنے خدا کی بات نہیں سنے گا، اِس لیے کہاں تو تم کثرت میں آسمان کے تاروں کی مانند ہو اور کہاں شمار میں تھوڑے ہی سے رہ جاؤ گے۔ تب یہ ہوگا کہ جیسے تمھارے ساتھ بھلائی کرنے اور تم کو بڑھانے سے خداوند خوشنود ہوا، ایسے ہی تم کو فنا کرانے اور ہلاک کر ڈالنے سے خداوند خوشنود ہوگا اور تم اُس ملک سے اکھاڑ دیے جاؤ گے، جہاں تو اُس پر قبضہ کرنے جا رہا ہے۔ اور خداوند تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراگندہ کرے گا۔'' (۶۲-۶۴)

اِس کے بعد بنی اسرائیل کے انبیا اُنھیں متنبہ کرتے رہے۔ چنانچہ پہلے فساد پر اُن کی تنبیہات زبور، یسعیاہ، یرمیا اور حزقی ایل میں اور دوسرے فساد پر سیدنا مسیح علیہ السلام کی زبان سے متی اور لوقا کی انجیلوں میں موجود ہیں۔

۱۲۱؎ جملے کی ابتدا 'اِذَا' سے ہوئی ہے۔ یہ یہاں تصویر حال کے لیے آیا ہے۔ 'اِذَا' کے بارے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ یہ جس طرح حال اور مستقبل کے لیے آتا ہے، اُسی طرح بیان سنت و عادت اور ماضی میں کسی صورت حال کی تصویر کے لیے بھی آتا ہے۔

۱۲۲؎ آیت میں 'بَعَثۡنَا عَلَیۡکُمۡ' کے الفاظ ہیں۔ 'بَعۡث' کے بعد 'عَلٰی' دلیل ہے کہ یہ ابھارنے اور اٹھا کھڑا کرنے کے ساتھ ساتھ مسلط کر دینے کے مفہوم پر بھی متضمن ہو گیا ہے۔

۱۲۳؎ یہ اشارہ بابل و نینوا کے بادشاہ بخت نصر کے حملے کی طرف ہے جس نے ۵۸۶ قبل مسیح میں یہودیہ کے تمام بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو، جو یہود کی عظمت کا آخری نشان تھا، بالکل پیوند خاک کر دیا۔ آیت میں اِس کے لیے 'فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّیَارِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ استاذ امام کے الفاظ میں، یہ یہود کی انتہائی توہین و تذلیل کی تصویر ہے، اِس لیے کہ جب دشمن اتنا زور آور ہو کہ وہ گھروں کے اندر گھس پڑے تو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا
الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ

اور اگر برے کام کرو گے تو وہ بھی اپنے لیے کرو گے۔ (یہ پہلا وعدہ تھا)۔ اِس کے بعد جب دوسری بار کے وعدے کا وقت آ جاتا ہے (تو ہم اپنے کچھ دوسرے زور آور بندے اٹھا کھڑے کرتے ہیں)[۱۲۵]، اِس لیے کہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور تمھاری مسجد میں اُسی طرح گھس پڑیں، جس طرح وہ پہلی بار اُس میں گھس پڑے تھے اور جس چیز پر اُن کا زور چلے، اُس کو تہس نہس کر ڈالیں[۱۲۶]۔ (اب

اِس کے معنی یہ ہوئے کہ اُس نے عزت و ناموس، ہر چیز کو تاراج کر کے رکھ دیا۔ اِسی طرح بخت نصر کی فوجوں کے لیے 'عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ' (اپنے زور آور بندے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...یہ اُن کے دین اور تقویٰ کے اعتبار سے نہیں استعمال ہوئے ہیں، بلکہ صرف اِس حیثیت سے استعمال ہوئے ہیں کہ اُنھوں نے خدا کے ارادہ کے اجرا و نفاذ کے لیے آلہ و جارحہ کا کام دیا۔ یہ اگرچہ خود گندے تھے، لیکن گندگی کے ایک بہت بڑے ڈھیر کو صاف کرنے میں اُنھوں نے مشیت الٰہی کی تنفیذ کی، اِس وجہ سے اُنھیں بھی فی الجملہ خدا سے نسبت حاصل ہو گئی۔ بنی اسرائیل کو غرہ تھا کہ 'نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ' ہم خدا کے محبوب اور چہیتے ہیں۔ خدا نے اُن پر واضح کر دیا کہ جن جوتوں سے تم پٹے ہو، وہ تو خدا کی نظروں میں کچھ وقعت رکھتے ہیں، لیکن تم کوئی وقعت نہیں رکھتے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۴۸۲)

۱۲۴۔ ایک عرصے کی غلامی کے بعد یہود میں رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوئی تو خدا نے دوبارہ اُن کی مدد کی۔ چنانچہ بابل کی سلطنت کو زوال ہوا اور ۵۳۹ قبل مسیح میں شاہ ایران سائرس نے کلدانیوں کو شکست دے کر اُن کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اِس کے بعد اُس نے یہود پر یہ عنایت کی کہ اُنھیں اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ یہود نے واپس آ کر ہیکل مقدس کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور عزیر علیہ السلام کی رہنمائی میں اپنے آپ کو بڑی حد تک بحال کر لیا، جس کے بعد بنی اسرائیل کو خاصا فروغ حاصل ہوا۔ قرآن نے یہ اِسی فضل و عنایت کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۵۔ یہ الفاظ اصل میں محذوف ہیں۔ آیت میں 'لِيَسُوْٓءٗا' کا لام انگلی اٹھا کر اِن کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

۱۲۶۔ یہ اُس تباہی کا ذکر ہے جو مسیح علیہ السلام کی طرف سے اتمام حجت کے بعد ۷۰ء میں رومی بادشاہ تیتس

اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَ جَعَلْنَا جَھَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ﴿۸﴾

بھی) عجب نہیں، (اے بنی اسرائیل) کہ تمھارا پروردگار (ایک مرتبہ پھر) تم پر رحم فرمائے۔ لیکن (یاد رکھو)، اگر تم وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور جہنم کو تو ہم نے اِسی طرح کے منکروں کے لیے باڑا بنا رکھا ہے۔[۱۲۷] ۴-۸

(Titus) کے ہاتھوں یہود پر آئی۔ اِس موقع پر ہزاروں مارے گئے، ہزاروں غلام بنائے گئے، ہزاروں کو پکڑ کر مصری کانوں میں کام کرنے کے لیے بھیج دیا گیا اور ہزاروں ایمفی تھیئٹروں اور کلوسیموں میں لوگوں کی تفریح طبع کے لیے جنگلی جانوروں سے پھڑوانے یا شمشیر زنوں کے کھیل کا تختۂ مشق بننے کے لیے مختلف شہروں میں بھیج دیے گئے۔ تمام دراز قامت اور حسین لڑکیاں فاتحین نے اپنے لیے چن لیں اور یروشلم کا شہر اور اُس کی مسجد، سب زمین بوس کر دیے گئے۔

۱۲۷ یعنی جو حقائق کو اِس طرح بہ چشم سر دیکھ لینے کے بعد بھی انکار کر دیں۔ یہ اُن یہود کو براہ راست خطاب فرمایا ہے جو قرآن کی مخالفت میں منکرین قریش کے ہم نوا ہو کر اُن کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''اِس آیت کے تیور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔ پہلے تو بات غائب کے صیغے سے فرمائی۔ پھر 'اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا' میں متکلم کا صیغہ آ گیا۔ پہلے ٹکڑے میں بے پروائی کا انداز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم یہ صحیح راہ اختیار کر لو گے تو اپنے ہی کو نفع پہنچاؤ گے، اور اگر نہ اختیار کرو گے تو اپنی ہی شامت کو دعوت دو گے، خدا کا کچھ نہیں بگاڑو گے۔ دوسرے ٹکڑے میں نہایت ہی سخت وعید ہے۔ اِس وجہ سے اول تو متکلم کا صیغہ آیا جو تہدید و وعید کے لیے زیادہ موزوں ہے، پھر اُس میں ابہام و اجمال بھی ہے۔ یہ تو بتایا کہ ہم لوٹیں گے، یہ نہیں بتایا کہ ہم کس شکل میں لوٹیں گے۔ یہ بات سمجھنے والوں کی سمجھ پر چھوڑ دی ہے اور اِس جملے کی ساری شدت اِس ابہام کے اندر مضمر ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۴۸۳)

[باقی]

جاوید احمد غامدی

تحقیق و تخریج: محمد حسن الیاس

# جنت کے اعمال
## (۳)

۱۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،[١] عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: ”يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَقْوَامٌ أَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ أَفْئِدَةِ الطَّيْرِ“.[٢]

۲۔عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ،[٣] قَالَ: خَطَبَنَا[٤] رَسُوْلُ اللّٰهِ فَأَسْنَدَ ظَهْرَهُ إِلٰى قُبَّةِ أَدَمٍ، فَقَالَ: ”أَلَا، لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، أَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، أَتُحِبُّوْنَ أَنَّكُمْ رُبُعُ أَهْلِ الْجَنَّةِ“؟ فَقُلْنَا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ: ”أَتُحِبُّوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ“؟ قَالُوْا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: ”إِنِّي لَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، مَا أَنْتُمْ فِي سِوَاكُمْ مِنَ الْأُمَمِ[٥] إِلَّا كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي الثَّوْرِ الْأَبْيَضِ، أَوْ كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِى الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ“.

۳۔عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ،[٦] قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ”يَقُوْلُ اللّٰهُ يَا آدَمُ، فَيَقُوْلُ: لَبَّيْكَ، وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، قَالَ: ”يَقُوْلُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ، قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟

قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ، قَالَ: "فَذَاكَ حِينَ يَشِيبُ الصَّغِيرُ، وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا، وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى، وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ"، قَالَ: [فَـأَنْشَأَ الْمُسْلِمُونَ يَبْكُونَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: قَارِبُوا وَسَـدِّدُوا فَإِنَّهَا لَمْ تَكُنْ نُبُوَّةٌ قَطُّ إِلَّا كَانَ بَيْنَ يَدَيْهَا جَاهِلِيَّةٌ"، قَالَ: "فَيُؤْخَذُ الْعَدَدُ مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنْ تَمَّتْ، وَإِلَّا كَمُلَتْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ ]"[٧] قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّنَا ذٰلِكَ الرَّجُلُ؟ فَقَالَ: "أَبْشِرُوا، فَإِنَّ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفًا، وَمِنْكُمْ رَجُلٌ"، ثُمَّ قَالَ: "[إِنَّكُمْ لَمَعَ خَلِيقَتَيْنِ، مَا كَانَتَا مَعَ شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا كَثَرَتَاهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَمَنْ هَلَكَ مِنْ بَنِي آدَمَ وَبَنِي إِبْلِيسَ][٨] وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ"، فَحَمِدْنَا اللّٰهَ وَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ"، فَحَمِدْنَا اللّٰهَ وَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الْأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، أَوْ كَالرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ".[٩]

٤ ـ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،[١٠] قَالَ: تَحَدَّثْنَا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، وَأَكْثَرْنَا الْحَدِيثَ، قَالَ: ثُمَّ تَرَاجَعْنَا إِلَى الْبُيُوتِ، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا غَدَوْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ اللَّيْلَةَ [وَأُمَمُهُمْ][١١]، فَجَعَلَ النَّبِيُّ يَجِيءُ وَمَعَهُ الثَّلَاثَةُ مِنْ قَوْمِهِ، وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الْعِصَابَةُ، وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ النَّفَرُ،[١٢] وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ مِنْ قَوْمِهِ، حَتّٰى أَتٰى عَلَيَّ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ فِي كَبْكَبَةٍ مِنْ بَنِي

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

إِسرَائِيلَ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُم أَعجَبُونِي، فَقُلتُ: رَبِّ[13] مَن هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هَذَا أَخُوكَ مُوسَى بنُ عِمرَانَ، وَمَن تَبِعَهُ مِن بَنِي إِسرَائِيلَ"، قَالَ: "قُلتُ: رَبِّ، فَأَيْنَ أُمَّتِي؟ فَقِيلَ لِي: انظُر عَن يَمِينِكَ، فَإِذَا الظِّرَابُ ظِرَابُ مَكَّةَ [قَد سُدَّت ][14] بِوُجُوهِ الرِّجَالِ، [ثُمَّ قِيلَ لِيَ: انظُر عَن يَسَارِكَ، فَنَظَرتُ، فَإِذَا الْأُفُقُ قَد سُدَّت بِوُجُوهِ الرِّجَالِ،][15] فَقُلتُ: رَبِّ، مَن هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: أُمَّتُكَ"، قَالَ: "فَقِيلَ لِيَ: هَل رَضِيتَ؟ فَقُلتُ: رَبِّ رَضِيتُ"، قَالَ: "ثُمَّ قِيلَ لِيَ: إِنَّ مَعَ هٰؤُلَاءِ سَبعِينَ أَلفًا يَدخُلُونَ الجَنَّةَ،[16] لَا حِسَابَ عَلَيهِم"،[17] قَالَ: فَأَنشَأَ عُكَّاشَةُ بنُ مِحصَنٍ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، ادعُ رَبَّكَ أَن يَجعَلَنِي مِنهُم، قَالَ: "أَللّٰهُمَّ اجعَلهُ مِنهُم"، ثُمَّ أَنشَأَ رَجُلٌ آخَرُ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، ادعُ رَبَّكَ أَن يَجعَلَنِي مِنهُم، قَالَ: فَقَالَ: "سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ"، قَالَ: ثُمَّ قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: "فِدًا لَكُم أَبِي وَأُمِّي إِن استَطَعتُم أَن تَكُونُوا مِنَ السَّبعِينَ، فَكُونُوا، فَإِن عَجَزتُم وَقَصَّرتُم، فَكُونُوا مِن أَهلِ الظِّرَابِ، فَإِن عَجَزتُم وَقَصَّرتُم، فَكُونُوا مِن أَهلِ الأُفُقِ، فَإِنِّي رَأَيتُ [ثَمَّ نَاسًا يَتَهَاوَشُونَ كَثِيرًا]"،[18] قَالَ: ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي لَأَرجُو أَن يَكُونَ مَن تَبِعَنِي مِن أُمَّتِي، رُبعَ أَهلِ الجَنَّةِ"، قَالَ: فَكَبَّرنَا، ثُمَّ قَالَ: "إِنِّي لَأَرجُو أَن تَكُونُوا الثُّلُثَ"، فَكَبَّرنَا، ثُمَّ قَالَ: "إِنِّي لَأَرجُو أَن تَكُونُوا الشَّطرَ"، فَكَبَّرنَا، قَالَ: فَتَلَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: "ثُلَّةٌ مِّنَ الاَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الاٰخِرِينَ"،[19] قَالَ: فَرَاجَعَ المُسلِمُونَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ السَّبعِينَ، فَقَالُوا: نَرَاهُم نَاسًا وُلِدُوا فِي الإِسلَامِ، ثُمَّ لَم يَزَالُوا يَعمَلُونَ بِهِ حَتّٰى مَاتُوا عَلَيهِ، فَنُمِيَ حَدِيثُهُم ذٰلِكَ إِلَى نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "لَيسَ كَذٰلِكَ، وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِينَ لَا يَستَرقُونَ وَلَا يَكتَوُونَ،

وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ".

٥۔عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ،[٢٠] قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ عَالَ [ابْنَتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، أَوْ أُخْتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثَ أَخَوَاتٍ]،[٢١] [فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، وَأَطْعَمَهُنَّ، وَسَقَاهُنَّ، وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ]،[٢٢] وَأَدَّبَهُنَّ، وَرَحِمَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، [وَيَتَّقِي اللّٰهَ فِيهِنَّ]،[٢٣] [حَتّٰى يَمُتْنَ أَوْ يَمُوتَ عَنْهُنَّ][٢٤] فَلَهُ الْجَنَّةُ".[٢٥]

٦۔ أَنَّ عَائِشَةَ[٢٦] زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: جَاءَتْنِي إِمْرَأَةٌ وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا، فَسَأَلَتْنِي، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا، فَأَخَذَتْهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا شَيْئًا، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ وَابْنَتَاهَا، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ حَدِيثَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ، فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ".

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

٧۔عَنْ أَبِي أُمَامَةَ،[٢٧] قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ، وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ، وَإِنْ كَانَ مَازِحًا، وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ.

٨۔عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ،[٢٨] قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قُمْتُ[٢٩] عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ، فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِينُ،[٣٠] وَإِذَا أَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوسُونَ".

۹۔ عَنْ سَهْلٍ،[۳۱] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ[۳۲] فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا"، وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا.

---

۱۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایسے لوگ داخل ہوں گے، جن کے دل (نرمی اور لطافت میں) گویا پرندوں کے دل ہوں گے۔[۱]

۲۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا۔ آپ اُس وقت چمڑے کے خیمے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: آگاہ رہو جنت میں صرف وہی جائے گا جو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے۔[۲] پھر فرمایا: پروردگار، کیا میں نے پہنچا دیا؟ پروردگار، تو گواہ رہنا۔ پھر لوگوں سے پوچھا: کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ جنت والوں میں تم ایک چوتھائی ہو؟ ہم نے عرض کیا: ہاں، اے اللہ کے رسول، یقیناً۔ آپ نے دوبارہ پوچھا: کیا تم اِس بات کو پسند کرتے ہو کہ جنت والوں میں تم ایک تہائی ہو؟ لوگوں نے پھر وہی جواب دیا کہ ہاں، اے اللہ کے رسول۔ فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ جنت کے لوگوں میں تم آدھے ہو گے۔ (یہ اِس وقت کے لحاظ سے نہیں ہے، اِس وقت تو) تم دوسری امتوں میں ایسے ہو، جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک کالا بال یا کالے بیل کے جسم پر ایک سفید بال۔

۳۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کہے گا: اے آدم، وہ عرض کریں گے: میں حاضر ہوں، پروردگار تیری فرماں برداری کے لیے ہر وقت حاضر ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ فرمایا: اللہ کہے گا: دوزخ کے لوگوں کو نکال لو۔ وہ عرض کریں گے: دوزخ کے کتنے لوگ ہیں، پروردگار۔ ارشاد ہو گا: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔[۳] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہی وقت ہو گا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی، اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے، حالاں کہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہو گا۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ آپ کی یہ بات سن کر سب مسلمان رونے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لگے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میانہ روی اختیار کرو اور راہ راست پر رہو۔ یہ اِس لیے ہوگا کہ ہر نبوت سے پہلے ایک جاہلیت کا زمانہ رہا ہے۔ فرمایا: سو یہ لوگ اُنھی میں سے لیے جائیں گے۔[۴] پھر اگر گنتی پوری ہو گئی تو ٹھیک، ورنہ منافقین سے پوری ہو جائے گی۔[۵] لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ، وہ ایک شخص کون ہوگا (جو ہزار میں سے بچا رہے گا)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے جواب میں فرمایا: خوش ہو جاؤ، اِس لیے کہ یاجوج ماجوج[۶] میں سے ہزار دوزخ کے لوگ ہوں گے تو تم میں سے ایک ہوگا۔ پھر فرمایا: تم دو ایسی قوموں کے ساتھ ہو گے کہ وہ جس کے ساتھ مل جائیں، اُس کی تعداد بڑھا دیتی ہیں، یعنی یاجوج ماجوج اور آدم و ابلیس کی اولاد میں سے ہلاک ہونے والے۔[۷] اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم جنت والوں میں چوتھائی ہو گے۔ ہم نے یہ سنا تو اللہ کا شکر ادا کیا اور تکبیر بلند کی۔ فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم جنت والوں میں ایک تہائی ہو گے۔ ہم نے پھر شکر ادا کیا اور اللہ اکبر کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم جنت والوں میں آدھے ہو گے۔[۸] (یہ اِس وقت کے لحاظ سے نہیں ہے، اِس لیے کہ اِس وقت تو) تم امتوں میں ایسے ہو، جیسے کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال یا وہ خط جو گدھے کے اگلے پاؤں میں ہوتا ہے۔[۹]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۴۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اِس کے بعد ہم اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ پھر جب صبح ہوئی اور ہم دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات (خواب میں) مختلف انبیا اور اُن کی امتوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا۔ چنانچہ ایک نبی گزرے تو اُن کے ساتھ صرف تین آدمی تھے، ایک نبی گزرے تو اُن کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت تھی، ایک نبی گزرے تو اُن کے ساتھ ایک گروہ تھا۔ اِسی طرح ایک نبی گزرے تو اُن کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا، یہاں تک کہ میرے پاس سے موسیٰ بن عمران کا گزر ہوا جن کے ساتھ بنی اسرائیل کی ایک بھیڑ تھی۔ اُن کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا تو میں نے پوچھا: پروردگار، یہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد ہوا: یہ آپ کے بھائی

موسیٰ بن عمران ہیں اور اِن کے ساتھ بنی اسرائیل میں سے اُن کے پیرو ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ میں نے پوچھا: پروردگار، پھر میری امت کہاں ہے؟ ارشاد ہوا: اپنی دائیں جانب دیکھیے۔ میں نے نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ٹیلے ہیں، مکہ کے ٹیلے اور لوگوں کے چہرے ہی چہرے ہیں، وہ اُن سے بھرے ہوئے ہیں۔ پھر ارشاد ہوا: اپنے بائیں جانب دیکھیے۔ میں نے دیکھا تو دور افق تک چہرے ہی چہرے تھے اور وہ بھی اُن سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے یہ دیکھا تو پوچھا: پروردگار، یہ کون ہیں؟ ارشاد ہوا: یہ تمھاری امت ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر پوچھا گیا: کیا تم راضی ہو؟ میں نے عرض کیا: پروردگار، میں ہر لحاظ سے راضی ہوں۔ آپ کا بیان ہے کہ پھر مجھے بتایا گیا کہ اِن لوگوں کے ساتھ ستر ہزار ایسے بھی ہوں گے جو بغیر کسی حساب کے جنت میں داخل ہوں گے[1]۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کے نبی، اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے بھی اُن میں شامل کرے۔ آپ نے دعا کی: پروردگار، اِس کو اُن میں شامل کر دے۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور اُس نے عرض کی: اللہ کے نبی، اپنے رب سے میرے لیے بھی دعا کیجیے کہ وہ مجھے بھی اُنھی میں شامل کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اِس میں تو اب عکاشہ تم پر سبقت لے گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اِس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ماں باپ تم لوگوں پر قربان ہوں، اگر تم اُن ستر ہزار میں شامل ہو سکو، (جن کا ذکر ہوا) تو اُن میں شامل ہونے کی کوشش کرنا۔ اگر اِس سے قاصر رہ جاؤ تو کوشش کرو کہ ٹیلے والوں میں شامل ہو جاؤ۔ اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو افق تک پھیلے ہوئے لوگوں میں شامل ہونے کی کوشش کرو۔ اُس میں بڑی گنجایش ہے، اِس لیے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو وہاں جمع ہوتے اور ایک دوسرے سے ملتے ہوئے دیکھا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اِس کے بعد آپ نے فرمایا: میری تمنا ہے کہ میری امت میں سے میری پیروی کرنے والے جنت کا ایک چوتھائی ہوں۔ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم نے یہ سن کر اللہ اکبر کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ جنت کے ایک تہائی ہو، عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں: ہم نے پھر تکبیر بلند کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ جنت کا نصف ہو۔ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں: ہم نے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پھر اللہ اکبر کہا۔ اِس کے بعد آپ نے (اہل جنت کے بارے میں سورۂ واقعہ کی) وہ آیتیں تلاوت فرمائیں جن میں کہا گیا ہے: ''وہ اگلوں میں بھی ایک بڑا گروہ ہوں گے، اور پچھلوں میں بھی ایک بڑا گروہ''۔ وہ کہتے ہیں کہ اب لوگوں میں بحث شروع ہوگئی کہ یہ ستر ہزار کون ہوں گے۔ اِس پر بعض لوگوں نے کہا: ہمارا خیال ہے کہ اِس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام کی حالت میں پیدا ہوئے اور اُسی پر عمل کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ پھر اُن کی یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا: نہیں، ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ جھاڑ پھونک کریں گے، نہ جسم کو داغیں گے، نہ برے شگون لیں گے اور (زندگی کے تمام معاملات میں) اپنے رب ہی پر بھروسا رکھیں گے۔[۱۱]

۵۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اُنھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو یا تین بیٹیوں یا دو یا تین بہنوں کی پرورش کی اور یہ ذمہ داری صبر واستقامت کے ساتھ نبھائی، اِس پر جزع فزع نہیں کی (کہ لڑکیاں پیدا ہوگئیں) اور جو ثروت خدا نے بخشی تھی، اُس سے فائدہ اٹھا کر اُنھیں کھلایا پلایا، پہنایا، اُنھیں تہذیب سکھائی، اُن کی شادیاں کیں، اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا اور اُن کے معاملے میں اللہ سے ڈرتا رہا، یہاں تک کہ وہ انتقال کر گئیں یا اُن کو چھوڑ کر یہ دنیا سے رخصت ہوگیا، اُس شخص کے لیے جنت ہے۔[۱۲]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت میرے پاس آئی۔ اُس کے ساتھ اُس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ اُس نے دست سوال دراز کیا تو میرے پاس اُس کو دینے کے لیے صرف ایک کھجور تھی۔ میں نے وہی اُس عورت کو دے دی تو اُس نے وہ لے کر آدھی آدھی دونوں بچیوں میں تقسیم کر دی، اُس میں سے خود کچھ نہیں کھایا۔ پھر وہ اور اُس کی بچیاں اُٹھیں اور چلی گئیں۔ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو میں نے اُس کی یہ بات آپ کو سنائی۔ اِس پر آپ نے فرمایا: جسے اِن بچیوں سے آزمایا جائے اور وہ اِن کے ساتھ حسن سلوک کرے،[۱۳] اُس کے لیے یہ جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔

۷۔ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اُس شخص کے لیے سواد جنت میں ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا چھوڑ دے، اگرچہ حق پر ہو۔ اور اُس شخص کے لیے وسط جنت میں گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو جھوٹ نہ بولے، اگرچہ ہنسی مذاق سے ہو۔ اور اُس شخص کے لیے بھی فردوس بریں میں گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو اپنے اخلاق اچھے بنالے۔

۸۔اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُس میں داخل ہونے والے زیادہ تر مساکین ہیں، جب کہ مال دار حساب کتاب کے لیے روک لیے گئے ہیں۔[۱۴]

۹۔سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اِس طرح ہوں گے۔ آپ نے اپنی دو انگلیوں، شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں میں کچھ فاصلہ رکھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

## ترجمے کے حواشی

۱۔یہی دل ہیں جنھیں خدا کی یاددہانی کرائی جائے تو اُس کے حضور میں پیشی کے اندیشے سے لرزاں و ترساں ہو جاتے، قرآن سنایا جائے تو آنسو بن کر بہ نکلتے، پیغمبر کو دیکھ لیں تو سراپا اطاعت بن جاتے اور انسانوں کی طرف متوجہ ہوں تو مجسم شفقت و محبت ہو کر اُن سے متعلق ہر حق کو انصاف کے ساتھ، بلکہ اِس سے آگے بڑھ کر احسان کے جذبے سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنت اِسی نرمی، لطافت اور خدا ترسی کا صلہ ہے۔ سختی، درشتی، خشونت اور قساوت اِس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اِس ارشاد میں اِسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اِس کا بہترین نمونہ خود آپ کی ذات والا صفات تھی۔ یہ نمونہ آپ کے ماننے والوں میں سے ہر شخص کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اِس لیے کہ اِسی کی پیروی جنت کی ضمانت ہے۔

۲۔یعنی خدا کو اپنے آقا، اپنے معبود اور کائنات کے بادشاہ کی حیثیت سے تسلیم کرلے اور اُس کے احکام کی پیروی کے لیے تیار رہے۔

۳۔ یہ اُسی طرح کا اسلوب ہے، جس طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاں معاملے میں ایک فی ہزار لوگ بھی صحیح رویہ اختیار کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ قرآن کی سورۂ اعراف (۷) میں بھی تنبیہ اور تہدید کے ایک موقع پر فرمایا ہے: 'وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ'، ''جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے'' (۱۷۹)۔ مدعا یہ ہے کہ جنت کے لیے بہت کم لوگ منتخب ہو سکیں گے، زیادہ تعداد اُنھی لوگوں کی ہو گی جو حساب کے بعد پہلے مرحلے میں دوزخ ہی کے مستحق قرار پائیں گے۔

۴۔ یعنی اُن لوگوں میں سے ہوں گے جو پیغمبروں کی ہدایت سے محروم رہے اور عقل و فطرت کی جو روشنی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، اُس سے بھی کسب فیض نہیں کر سکے۔ چنانچہ خواہشوں کی اسیری میں زندگی بسر کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۵۔ یعنی اُن لوگوں سے پوری ہو جائے گی جو پیغمبروں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد بظاہر ایمان لے آئے، لیکن حقیقت میں خدا اور اُس کے رسولوں کی ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ لفظ 'مُنٰفِقِيْن' قرآن میں اِسی طرح کے لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۶۔ یہ دونوں نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں جو ایشیا کے شمالی علاقوں میں آباد ہوئی۔ پھر اُنھی کے بعض قبائل یورپ پہنچے اور اِس کے بعد چند صدی پہلے امریکا اور آسٹریلیا کو آباد کیا۔ اِن میں سے ایک بڑی تعداد نے اگرچہ مسیح علیہ السلام کو مانا ہے، لیکن خدا کے پیغمبر کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اُس کے بیٹے اور جسدی ظہور کی حیثیت سے مانا ہے۔ باقی زیادہ تر توہمات کے پیرو رہے ہیں۔ دور حاضر میں اِنھی کی ایک بڑی تعداد اب الحاد کی علم بردار بن کر کھڑی ہو رہی ہے۔ قرآن اور بائیبل، دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اِنھی کا خروج ہے جس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔

۷۔ مطلب یہ ہے کہ اِن دونوں کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہے گی۔ تاہم جب تک دنیا قائم ہے، تمھیں اِنھی کے ساتھ رہنا ہے اور اِنھی کے ساتھ رہتے ہوئے اور اِن کے تمام انحرافات کے باوجود اپنے آپ کو خدا کی ہدایت پر قائم رکھنے کی جدوجہد کرنی ہے۔

۸۔ یعنی اُن لوگوں کے مقابلے میں جو دوسری امتوں میں سے جنت کے لیے منتخب کیے جائیں گے۔ یہ غالباً اِس لیے ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کی آبادی تیزی کے ساتھ بڑھی اور دیکھتے دیکھتے اربوں تک پہنچ گئی

ہے۔

۹۔یعنی تعداد میں بہت کم ہو۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے حین حیات ایمان لانے والے ایک لاکھ سے کچھ ہی زیادہ تھے۔ یہ تشبیہ اُسی کے پیش نظر ہے۔

۱۰۔یعنی اُن کا معاملہ ایسا صاف ہوگا کہ کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں ہوگی۔ وہ اِس کے بغیر ہی جنت میں داخل ہو جائیں گے، جیسے صدیق و فاروق اور اِسی شان کے بعض دوسرے صحابہ و تابعین۔

۱۱۔یعنی شرک کی ادنیٰ صورتوں سے بھی محفوظ ہوں گے اور اپنے علم و عمل میں تفویض اور توکل کے اُس مقام پر ہوں گے جسے قرآن مجید میں بعض موقعوں پر اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کر دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اِسی کے حاملین میں انسانی تاریخ کی نمایاں ترین ہستی ہیں۔

۱۲۔اِس لیے کہ وہ خدا پر سچے ایمان اور اُس کے حضور میں جواب دہی کے احساس کے ساتھ یہ سب کرتا ہے۔

۱۳۔یعنی اِس کو خدا کی آزمایش سمجھ کر اُن سے حسن سلوک کرے۔

۱۴۔یہ غالباً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی رؤیا ہے جسے اِس طرح بیان کر دیا گیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

# متن کے حواشی

۱۔اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۵۰۷۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ اِن مصادر میں نقل ہوئی ہے: مسند ابو داؤد طیالسی، رقم ۲۵۰۳۔ مسند احمد، رقم ۸۱۸۳۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۵۸۴۹۔

۲۔عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی بعض طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۷۰۷۵ میں اہل یمن کی یہی صفت اِس طرح بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'أَهْلُ الْيَمَنِ أَرَقُّ قُلُوبًا، وَأَلْيَنُ أَفْئِدَةً، وَأَنْجَعُ طَاعَةً'' یمن کے لوگ دل و دماغ کے نرم اور رقیق اور خوب اطاعت گزار ہوتے ہیں''۔

۳۔اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۳۳۱ سے لیا گیا ہے۔ اِسے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ اُن سے یہ جن کتابوں میں نقل ہوئی ہے، وہ یہ ہیں: صحیح بخاری، رقم ۶۰۷۴۔ سنن ترمذی، رقم ۲۴۸۶۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۵۱۷۹۔

یہی مضمون انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل ہوا ہے اور اِن مصادر میں دیکھ لیا جا

سکتا ہے: مسند عبد بن حمید، رقم ۱۱۹۵۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۳۰۸۰۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۵۱۳۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۷۹۷۔

۴۔ بعض روایات مثلاً، مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۹ میں منقول ہے کہ آپ نے یہ خطبہ منیٰ میں دیا۔ اسی طرح السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۵۱۷۹ اور بعض دوسری روایتوں میں یہ بات بھی نقل ہوئی ہے کہ اُس وقت تقریباً چالیس افراد آپ کے اردگرد موجود تھے۔

۵۔ صحیح بخاری، رقم ۶۰۷۴ میں 'فِيْ سِوَاكُمْ مِنَ الْأُمَمِ' کے بجاے 'فِيْ أَهْلِ الشِّرْكِ' ''اہل شرک میں'' کے الفاظ ہیں۔

۶۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح مسلم، رقم ۳۳۲ سے لیا گیا ہے۔ اِسے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے اور یہ اِن مصادر میں دیکھ لی جا سکتی ہے: مسند احمد، رقم ۱۱۰۶۶۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۹۲۵۔ صحیح بخاری، رقم ۳۱۲۱، ۴۳۹۷، ۶۰۷۶۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۰۸۲۶۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۱۹۱۔ مستدرک حاکم، رقم ۷۷۔

یہی مضمون عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اُن سے یہ جن مصادر میں نقل ہوا ہے، وہ یہ ہیں: مسند احمد، ۱۹۴۳۵، ۱۹۴۵۵۔ سنن ترمذی، رقم ۳۱۱۱۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۴۷۴۱۔ مستدرک حاکم، رقم ۷۶، ۲۸۴۳۔

۷۔ یہ اضافہ سنن ترمذی، رقم ۳۱۱۱ میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت سے لیا گیا ہے۔

۸۔ یہ اضافہ مسند احمد، رقم ۱۹۴۵۵ میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت سے لیا گیا ہے۔

۹۔ مسند احمد، رقم ۱۹۴۵۵ میں یہی بات عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے اِن الفاظ میں روایت ہوئی ہے: 'أَنْتُمْ فِي النَّاسِ إِلَّا كَالشَّامَةِ فِيْ جَنْبِ الْبَعِيْرِ' ''تمام امتوں میں تم لوگ اونٹ کے پہلو میں نشان کی طرح ہو گے''۔

۱۰۔ اِس حدیث کا متن اصلاً مستدرک حاکم، رقم ۸۸۲۲ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل مصادر میں نقل ہوئی ہے:

مسند طیالسی، رقم ۳۴۷، ۴۰۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۳۰۱۶۔ مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۲، ۴۰۲۔ مسند احمد، رقم ۳۶۷۵، ۳۶۹۰، ۳۸۵۷۔ مسند بزار، رقم ۱۶۳۸۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۵۲۸۱۔ مسند شاشی، رقم ۶۰۵، ۲۶۰۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۲۱۸۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۹۶۵۵۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۳۴۵۔ السنن الکبریٰ، بیہقی ۱۹۴۴۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہی مضمون جن دوسرے صحابہ سے نقل ہوا ہے، وہ یہ ہیں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، صدی بن عجلان رضی اللہ عنہ، انس بن مالک انصاری رضی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اللہ عنہ، سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ثوبان رضی اللہ عنہ، آمنہ بنت محصن رضی اللہ عنہا، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

اِن صحابہ سے یہ روایت درج ذیل مصادر میں منقول ہے:

مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۱۰۳۱۔ مسند اسحاق بن راہویہ، رقم ۵۷۔ مسند احمد، رقم ۷۸۱۷، ۸۹۹۴، ۹۶۶۷، ۱۹۴۶۶، ۱۹۵۱۶۔ سنن دارمی، رقم ۲۷۲۰، ۲۷۳۶۔ صحیح بخاری، رقم ۳۱۸۱، ۵۲۹۷، ۵۳۳۸، ۵۳۹۰، ۶۰۸۷۔ صحیح مسلم، رقم ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۸۔ مسند بزار، رقم ۹۱۴، ۱۳۰۸، ۲۱۶۳۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۷۶۰۴۔ صحیح ابن حبان ۶۲۲۳، ۶۵۶۸، ۷۴۰۱۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۵۰۲۵۔ المعجم الاوسط، طبرانی، ۹۳۹۹۔ مستدرک حاکم، ۴۹۵۹۔

۱۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۵۰۵۔

۱۲۔ صحیح بخاری، رقم ۶۰۶۸ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بات اِن الفاظ میں نقل ہوئی ہے: 'وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْعَشَرَةُ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْخَمْسَةُ' ''ایک نبی گزریں گے تو اُن کے ساتھ دس لوگ ہوں گے، اور ایک گزریں گے تو اُن کے ساتھ پانچ ہوں گے''۔

۱۳۔ صحیح بخاری، رقم ۶۰۶۹ میں یہاں 'رب' کے بجاے جبریل علیہ السلام کا ذکر ہے۔

۱۴۔ مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۴۰۲۔

۱۵۔ مسند احمد، رقم ۳۶۷۵۔

۱۶۔ مسند احمد رقم ۱۸۵۰۵ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی بات اِس اضافے کے ساتھ نقل ہوئی ہے:

'أَنَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ: "سَأَلْتُ رَبِّيْ فَوَعَدَنِيْ أَنْ يُدْخِلَ مِنْ أُمَّتِيْ سَبْعِيْنَ أَلْفًا عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةِ الْبَدْرِ، فَاسْتَزَدْتُ، فَزَادَنِيْ مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعِيْنَ أَلْفًا، فَقُلْتُ: أَيْ رَبِّ، إِنْ لَمْ يَكُنْ هٰؤُلَاءِ مُهَاجِرِيْ أُمَّتِيْ؟ قَالَ: إِذَنْ أُكْمِلَهُمْ لَكَ مِنَ الْأَعْرَابِ".

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے درخواست کی تو اُس نے مجھ سے وعدہ کرلیا کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمیوں کو چودھویں کی رات کے چاند کی طرح چمکتا دمکتا جنت میں داخل کرے گا۔ میں نے اِس میں مزید اضافہ کی درخواست کی تو میرے پروردگار نے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ کر دیا۔ میں نے پوچھا: پروردگار، اگر یہ لوگ میری امت کے مہاجرین میں سے نہ ہوئے؟ اللہ نے فرمایا: پھر میں یہ تعداد تمھارے لیے دیہات کے لوگوں میں سے پوری کر دوں گا''۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ، ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہے جس کی حقیقت اُس کے ظہور کے بعد ہی معلوم ہو گی۔

۱۷۔ صحیح بخاری رقم ۶۰۶۹ میں 'وَلَا حِسَابَ' کے بعد 'وَلَا عَذَابَ' کا اضافہ نقل ہوا ہے۔

۱۸۔ مسند طیالسی، رقم ۴۰۰۔ اصل روایت میں 'یَتَهَرَّشُونَ' ہے جس کی مناسبت یہاں سمجھ میں نہیں آتی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ غالباً نقل کی غلطی ہے۔ چنانچہ دوسری روایتوں میں وہی لفظ ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے۔

۱۹۔ الواقعہ ۵۶: ۳۹-۴۰۔

۲۰۔ اِس روایت کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۱۱۷۰۶ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۴۸۵۲۔ مسند احمد بن حنبل، رقم ۱۱۱۶۹، ۱۱۷۰۶۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۵۱۔ سنن ابوداؤد، رقم ۴۴۸۳۔ سنن ترمذی، رقم ۱۸۳۱، ۱۸۳۵۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہی مضمون انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اِن صحابہ سے اِس کے مصادر یہ ہیں:

مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۴۸۵۰، ۲۴۸۵۳۔ مسند احمد، رقم ۱۲۲۶۱، ۱۲۳۵۳، ۱۳۹۶۰، ۱۷۰۷۲، ۲۴۸۴۸۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۱۳۸۵۔ سنن ترمذی، رقم ۱۸۳۳۔ صحیح مسلم، رقم ۴۷۷۱۔ مسند بزار، رقم ۲۳۷۳۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۵۲۔ مسند ابی یعلیٰ ۱۷۴۹، ۲۱۸۰۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۵۷۳، ۵۲۹۹، ۸۳۷۷۔ مستدرک حاکم، رقم ۴۱۴۷۔

۲۱۔ یہ اضافہ سنن ابوداؤد، رقم ۱۲۲۶۱ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے لیا گیا ہے۔

۲۲۔ یہ اضافہ سنن ابن ماجہ رقم، ۳۶۶۷ میں عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لیا گیا ہے۔

۲۳۔ مسند احمد، رقم ۱۱۱۶۹۔

۲۴۔ یہ اضافہ سنن ابوداؤد، رقم ۱۲۲۶۱ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے لیا گیا ہے۔

۲۵۔ انس بن مالک سے مروی بعض طرق، مثلاً صحیح مسلم، رقم ۴۷۷۱ میں یہاں یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: 'جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ، وَضَمَّ أَصَابِعَهُ' 'میں اور وہ قیامت کے دن اِس طرح آئیں گے۔ آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا'۔

۲۶۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۴۷۶۹ سے لیا گیا ہے۔ سیدہ عائشہ سے یہ درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی

ہے:

مسند طیالسی، رقم ۱۵۳۹۔ مسند اسحاق، رقم ۱۵۱۴، ۱۵۱۵۔ مسند احمد، ۲۳۵۰۴، ۲۴۰۱۳، ۲۴۷۶۳، ۲۵۴۷۶۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۱۴۸۲۔ صحیح بخاری، رقم ۱۳۳۴، ۵۵۶۳۔ سنن ترمذی، رقم ۱۸۳۲، ۱۸۳۴۔ صحیح ابن حبان، رقم ۳۰۱۵۔

۲۷۔ اِس روایت کا متن سنن ابوداؤد، رقم ۴۱۶۹ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی صدی بن عجلان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابوامامہ اِنھی کی کنیت ہے۔ اِن سے یہ روایت السنن الکبریٰ بیہقی، رقم ۹۵۰۷ میں بھی نقل ہوئی ہے۔

۲۸۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۴۹۲۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت اِن کتابوں میں نقل ہوئی ہے: مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۱۵۵۔ مسند احمد، رقم ۲۱۲۳۲، ۲۱۲۷۳۔ صحیح بخاری، رقم ۴۸۲۲، ۶۰۹۲۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۸۹۲۲، ۱۱۲۶۰، ۱۱۳۲۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۸۱۔

یہی مضمون جن دوسرے صحابہ سے نقل ہوا ہے، وہ یہ ہیں: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اِن صحابہ سے اِس کے مصادر درج ذیل ہیں:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مسند طیالسی، رقم ۸۶۵، ۲۸۷۳۔ مسند احمد، رقم ۲۰۱۰، ۶۴۳۲، ۷۷۵۲، ۱۹۴۰۵، ۱۹۵۳۱۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۶۹۸۔ صحیح بخاری، رقم ۴۸۲۴، ۵۹۹۵، ۶۰۵۱۔ صحیح مسلم، رقم ۴۹۲۶۔ سنن ترمذی، رقم ۲۵۴۴۔ مسند بزار، رقم ۱۱۰۳، ۳۰۴۹۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۸۹۱۸، ۸۹۱۹، ۸۰۲۰، ۸۹۲۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۱۵۷، ۶۴۹۷۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۲۶۰۲، ۱۲۶۰۴، ۱۴۶۵۱۔

۲۹۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول بعض روایات، مثلاً السنن الکبریٰ، نسائی رقم ۸۹۲۱ میں 'قُمْتُ' کے بجاے 'اِطَّلَعْتُ' کا لفظ ہے۔ اِسی طرح عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے منقول بعض طرق، مثلاً مسند طیالسی رقم ۸۶۵ میں 'نَظَرْتُ' کا لفظ آیا ہے۔

۳۰۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے منقول بعض طرق، مثلاً مسند طیالسی، رقم ۸۶۵ میں 'اَلْمَسَاکِیْن' کے بجاے 'اَلْفُقَرَاء' کا لفظ ہے۔

۳۱۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۴۹۱۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

مسند احمد، رقم ۲۲۲۲۷۔ صحیح بخاری، رقم ۵۵۷۳۔ سنن ترمذی، رقم ۱۸۳۷۔ سنن ابوداؤد، رقم ۴۴۸۵۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۶۵۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۱۷۲۸۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۷۵۰۰۔

اُن کے علاوہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ام سعد رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہوئی ہے اور اِن مصادر میں منقول ہے: مسند احمد، رقم ۸۶۸۲۔ صحیح مسلم، رقم ۵۳۰۰۔ السنن الکبریٰ نسائی، رقم ۲۳۴۱۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۲۰۸۰۳۔

۳۲۔ صحیح مسلم، رقم ۵۳۰۰ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اِس جگہ 'كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ'' 'خواہ وہ یتیم اُس کا اپنا ہو یا کسی دوسرے کا' کے الفاظ آئے ہیں۔

یتیم کے لیے قربانی دینے والوں کا کیا مقام ہے؟ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۶۱۴ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اِس کے بارے میں یہ روایت بھی نقل ہوئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُفْتَحُ لَهُ بَابُ الْجَنَّةِ، إِلَّا أَنَّهُ تَأْتِي امْرَأَةٌ تُبَادِرُنِي، فَأَقُولُ لَهَا: مَا لَكِ؟ وَمَنْ أَنْتِ؟ فَتَقُولُ: أَنَا امْرَأَةٌ قَعَدْتُ عَلَى أَيْتَامٍ لِي''.

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ مگر اُس وقت ایک عورت آئے گی اور مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گی۔ اِس پر میں کہوں گا: کیوں، کون ہو تم؟ اِس کے جواب میں وہ کہے گی: میں وہ عورت ہوں جو اپنے یتیم بچوں کے لیے بیٹھی رہی اور آگے شادی نہیں کی''۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

# المصادر والمراجع


ابن حبان، أبو حاتم بن حبان. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان**. ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، على بن حجر أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري**. (د.ط). تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار المعرفة.

ابن قانع. (١٤٨١هـ/١٩٩٨م). **المعجم الصحابة**. ط١. تحقيق:حمدي محمد. مكة مكرمة: نزار مصطفى الباز.

ابن ماجه. ابن ماجة القزويني. (د.ت). **سنن ابن ماجة**. ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي.

بیروت: دار الفکر.

ابن منظور، محمد بن مکرم بن الأفریقي. (د.ت). **لسان العرب**. ط ۱. بیروت: دار صادر.

أبو نعیم ، (د.ت). **معرفة الصحابه**.ط ۱ . تحقیق: مسعد السعدني. بیروت: دارالکتاب العلمیة.

أحمد بن محمد بن حنبل الشیباني. (د.ت). **مسند أحمد بن حنبل**. ط ۱ . بیروت: دار إحیاء التراث العربي.

أحمد بن محمد بن حنبل الشیباني. (د.ت). **مسند أحمد بن حنبل**. ط ۱ . بیروت: دار إحیاء التراث العربي.

البخاري، محمد بن إسماعیل. (۱٤۰۷ھـ/ ۱۹۸۷م). **الجامع الصحیح**.ط۳ .تحقیق: مصطفٰی دیب البغا. بیروت: دار ابن کثیر.

بدر الدین العیني. **عمدة القاري شرح صحیح البخاري**. (د.ط). بیروت: دار إحیاء التراث العربي.

البیهقي، أحمد بن الحسین البیهقي.(۱٤۱٤ھـ/۱۹۹٤م). **السنن الکبریٰ لبیهقي**.ط ۱ . تحقیق: محمد عبد القادر عطا. مکة المکرمة: مکتبة دار الباز.

السیوطي، جلال الدین السیوطي. (۱٤۱٦ھـ/ ۱۹۹٦م). **الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج**.ط ۱ . تحقیق: أبو اسحٰق الحویني الأثري. السعودیة: دار ابن عفان للنشر والتوزیع.

الشاشي، الهیثم بن کلیب. (۱٤۱۰ھـ). **مسند الشاشي** . ط ۱ . تحقیق: محفوظ الرحمٰن زین اللّٰه. المدینة المنورة: مکتبة العلوم والحکم.

محمد القضاعي الکلبي المزي.(۱٤۰۰ھـ/۱۹۸۰م). **تهذیب الکمال في أسماء الرجال.** ط ۱ . تحقیق: بشار عواد معروف. بیروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم، مسلم بن الحجاج. (د.ت).**صحیح المسلم**. ط ۱ . تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقي. بیروت: دار إحیاء التراث العربي.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **سنن النسائي الصغرٰى**. ط٢. تحقيق: عبدالفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **السنن الكبرٰى للنسائي**. ط١. تحقيق: عبد الغفار سليمان البنداري، سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سید منظور الحسن

# حدیث و سنت کی حجیت
# مدرسۂ فراہی کے موقف کا تقابلی جائزہ

(۳)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

[یہ مضمون راقم کے ایم فل علوم اسلامیہ کے تحقیقی مقالے سے ماخوذ ہے۔ "حدیث و سنت کی حجیت پر مکتب فراہی کے افکار کا تنقیدی جائزہ" کے زیرعنوان یہ مقالہ جی سی یونیورسٹی لاہور کے شعبۂ عربی و علوم اسلامیہ کے تحت ۲۰۱۲ء-۲۰۱۴ء کے تعلیمی سیشن میں مکمل ہوا۔]

ذیل میں مذکورہ بالا تینوں نکات کے حوالے سے مدرسۂ فراہی کے علما اور نمایندہ علماے امت کی آرا کا ایک تقابلی تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ نکات کی بنا پر انکار حدیث و سنت کا تاثر قائم کرنا سراسر باطل اور امت کی علمی روایت سے انحراف کے مترادف ہے۔

## اجماع و تواتر اور اخبار آحاد

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کے ذریعے سے جو دین قرآن مجید کے علاوہ امت کو ملا ہے، اُس کے لیے حدیث و سنت کی اصطلاحات رائج ہیں۔ یہ اپنے ثبوت اور استدلال و احتجاج کے اعتبار سے دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک قسم اُن اجزا پر مشتمل ہے جو اجماع و تواتر سے ملے ہیں اور دوسری قسم اخبار آحاد سے ملنے والے

اجزا کو شامل ہے۔ پہلی قسم کو قطعی الثبوت اور دوسری کو ظنی الثبوت قرار دیا جاتا ہے اور ثبوت کے اِس فرق کی بنا پر اِن سے استدلال و احتجاج میں واضح فرق قائم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کی حیثیت نص الٰہی کی ہے، یہ ایمان و اسلام کا جزو لازم ہے، لہٰذا یہ حجت کو قطعی طور پر قائم کرتی ہے اور اِس کے کسی جز کا انکار دین کی نص صریح کے انکار کے مترادف ہے۔ یہ علم کو بھی واجب کرتی ہے اور عمل کو بھی[۶۸]۔ دوسری قسم کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ نہ اسے قطعی نص کے طور پر قبول کیا جاتا ہے اور نہ اِس کے انکار کو نص الٰہی کے انکار کے مترادف قرار دیا جاتا ہے۔ یہ علم کو واجب نہیں کرتی، تاہم اِس کے بارے میں بالعموم، یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ عمل کو واجب کرتی ہے۔ امام ابن عبد البر اِس معاملے میں علماے امت کے موقف کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تنقسم السنة قسمين: أحدهما: تنقله الكافة عن الكافة، فهذا من الحجج القاطعة للأعذار إذا لم يوجد هنالك خلاف، ومن رد إجماعهم فقد رد نصًا من نصوص الله، يجب إستتابته عليه وإراقة دمه إن لم

''سنت کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جسے تمام لوگ نسل در نسل آگے منتقل کرتے ہیں۔ اِس طریقے سے منتقل ہونے والی چیز کی حیثیت جس میں کوئی اختلاف نہ ہو، قاطع عذر حجت کی ہے۔ چنانچہ جو شخص اِن (ناقلین) کے اجماع کو تسلیم نہیں کرتا، وہ اللہ کے نصوص میں سے

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

۶۸؎ ''اصول بزدوی'' میں اس قسم کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ 'هذا القسم يوجب علم اليقين بمنزلة العيان علماً ضروریاً'، یعنی یہ قسم یقینی علم کو واجب کرتی ہے، جیسے انسان خود مشاہدہ کر رہا ہو، گویا اس سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے۔ تواتر سے علم یقینی یا علم ضروری کیوں حاصل ہوتا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر باقر خان خاکوانی نے اپنی کتاب ''فقہا کے اصول حدیث'' میں شوکانی، شیرازی، باجی، ابن الہمام اور بدخشی وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے:

''خبر متواتر سے علم ضروری اس لیے حاصل ہوتا ہے کہ سامع اس خبر کو سن کر یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے ائمہ اربعہ کے وجود کی خبر یا دمشق اور بغداد کے موجود ہونے کی خبر۔ ان اشیاء کو سامع نے قطعاً نہیں دیکھا ہوتا، لیکن اس کے باوجود اس کو اس قدر پختہ یقین ہوتا کہ وہ ان اشخاص یا شہروں کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خبر متواتر سے ترتیب مقدمات کے بغیر علم حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اس علم کو ہر عام و خاص عادتاً اس طرح حاصل کر لیتا ہے کہ اسے ترتیب مقدمات کی حاجت ہی نہیں ہوتی، حتیٰ کہ اس خبر سے عورتیں، بچے عوام اور کم علم لوگ بھی علم حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسے ہر مسلمان کو چاہے وہ عورت ہو بچہ ہو یا عوام سے ہو اس بات کا یقینی علم ہے کہ مکہ ایک شہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے حالانکہ اس نے اس شہر کو دیکھا ہوتا ہے اور نہ بیت اللہ کو۔ اور اگر کوئی اسے یہ بات بتائے کہ دنیا کے نقشہ پر نہ یہ شہر موجود ہے اور نہ بیت اللہ، تو سامع اپنے علم میں قطعاً شک نہیں کرے گا، بلکہ مخبر کو خبطی یا مجنون تصور کرے گا۔'' (۱۲۱)

یتب، لخروجه عما أجمع علیه المسلمون العدول، وسلوکه غیر سبیل جمیعهم. والضرب الثاني من السنة: أخبار الآحاد الثقات الأثبات العدول والخبر الصحیح الإسناد المتصل منها. یوجب العمل عند جماعة الأئمة الذین هم الحجة القدوة، ومنهم من یقول یوجب العلم والعمل جمیعاً.[۶۹]

ایک نص کا انکار کرتا ہے۔ ایسے شخص پر توبہ کرنا لازم ہے اور اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو اُس کا خون جائز ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے عادل مسلمانوں کے اجماعی موقف سے انحراف کیا ہے اور اُن کے اجماعی طریقے سے الگ راہ اختیار کی ہے۔ سنت کی دوسری قسم وہ ہے جسے ''آحاد راویوں'' میں سے ثابت، ثقہ اور عادل لوگ منتقل کرتے ہیں اور جس کی روایت میں اتصال پایا جاتا ہے۔ جلیل القدر ائمۂ امت کی جماعت کے نزدیک یہ عمل کو واجب کرتی ہے، جبکہ اُن میں سے بعض کے نزدیک یہ علم اور عمل، دونوں کو واجب کرتی ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اجماع وتواتر اور اخبار آحاد کا یہ فرق سلف وخلف کے علماے امت میں پوری طرح مسلم ہے۔ امام شافعی نے اِس فرق کو واضح کرنے کے لیے ''اخبار العامہ'' اور ''اخبار الخاصہ'' کی تعبیرات اختیار کی ہیں۔ ''اخبار العامہ'' سے اُن کی مراد علم دین کا وہ حصہ ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عامۃ المسلمین نے نسل در نسل منتقل کیا ہے۔ ہر شخص اِس سے واقف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کی نسبت کے بارے میں تمام مسلمان متفق ہیں۔ یہ قطعی ہے اور درجۂ یقین کو پہنچا ہوا ہے۔ نہ اِس کے نقل کرنے میں غلطی کا کوئی امکان ہو سکتا ہے اور نہ اِس کی تاویل وتفسیر میں کوئی غلط چیز داخل کی جا سکتی ہے۔ یہی دین ہے جس کی اتباع کا ہر شخص مکلّف ہے۔ ''اخبار الخاصہ'' سے مراد علم دین کا وہ حصہ ہے جو اخبار آحاد کے طریقے پر امت کو منتقل ہوا ہے اور جس کا تعلق فرائض کے فروعات سے ہے۔ ہر شخص اِسے جاننے اور اِس پر عمل کرنے کا مکلّف نہیں ہے۔ ''الرسالہ'' میں لکھتے ہیں:

العلم علمان: علم عامة لا یسع بالغًا غیر مغلوبٍ علی عقله جهله. ... مثل الصلوات الخمس، وأن للّٰه علی الناس صوم شهر رمضان، وحج البیت إذا استطاعوه،

''علم (دین) کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم علم عام ہے۔ اِس علم سے کوئی عاقل، کوئی بالغ بے خبر نہیں رہ سکتا۔... اِس علم کی مثال پنج وقتہ نماز ہے۔ اِسی طرح اِس کی مثال رمضان کے روزے، اصحاب استطاعت

۶۹؎ ابن عبد البر، ابو عمر یوسف، جامع بیان العلم، دمام: دار ابن الجوزیہ، ۱۴۲۷ھ، ج ۱، ص ۶۲۵۔

وزكاةً في أموالهم، وأنه حرم عليهم الزنا والقتل والسرقة والخمر، ... وهذا الصنف كله من العلم موجود نصًا في كتاب اللّٰه، وموجودًا عامًا عند أهل الإسلام، ينقله عوامهم عن من مضى من عوامهم، يحكونه عن رسول اللّٰه، ولا يتنازعون في حكايته ولا وجوبه عليهم. وهذا العلم العام الذي لا يمكن فيه الغلط من الخبر، ولا التأويل، ولا يجوز فيه التنازع. ... ما ينوب العباد من فروع الفرائض، وما يخص به من الأحكام وغيرها، مما ليس فيه نص كتاب، ولا في أكثره نص سنة، وإن كانت في شيءٍ منه سنة فإنما هي من أخبار الخاصة، لا أخبار العامة، وما كان منه يحتمل التأويل ويستدرك قياسًا. ... هذه درجة من العلم ليس تبلغها العامة، ولم يكلفها كل الخاصة، ومن احتمل بلوغها من الخاصة فلا يسعهم كلهم كافة أن يعطلوها، وإذا قام بها من خاصتهم من فيه الكفاية لم يخرج غيره ممن تركها.[۷۰]

پر بیت اللہ کے حج کی فرضیت اور اپنے اموال میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ زنا، قتل، چوری اور نشے کی حرمت بھی اِسی کی مثال ہے۔... اِس نوعیت کی چیزوں کا علم کتاب اللہ میں منصوص ہے اور مسلمانوں کے عوام میں شائع وذائع ہے۔ علم کی یہ وہ قسم ہے جسے ایک نسل کے لوگ گذشتہ نسل کے لوگوں سے حاصل کرتے اور اگلی نسل کو منتقل کرتے ہیں۔ مسلمان امت اِس سارے عمل کی نسبت (بالاتفاق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتی ہے۔ اِس کی روایت میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کی نسبت میں اور اِس کے لزوم میں مسلمانوں کے مابین کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔ یہ علم تمام مسلمانوں کی مشترک میراث ہے۔ نہ اِس کے نقل میں غلطی کا کوئی امکان ہوتا ہے اور نہ اِس کی تاویل اور تفسیر میں غلط بات داخل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اِس میں اختلاف کرنے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی۔

...(دوسری قسم) اُس علم پر مشتمل ہے جو اُن چیزوں سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو فرائض کے فروعات میں پیش آتی ہیں یا وہ چیزیں جو احکام اور دیگر دینی چیزوں کی تخصیص کرتی ہیں۔ یہ ایسے امور ہوتے ہیں جن میں قرآن کی کوئی نص موجود نہیں ہوتی اور اس کے اکثر حصہ کے بارے میں کوئی منصوص سنت بھی نہیں ہوتی، اگر کوئی ایسی سنت ہو بھی تو وہ اخبار خاصہ کی قبیل کی ہوتی ہے نہ کہ اخبار عامہ کی طرح کی۔ جو چیز اس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۷۰ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالۃ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۵ء، ص ۳۵۷-۳۶۰۔

طرح کی ہوتی ہے، وہ تاویل بھی قبول کرتی ہے اور قیاساً بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔... یہ علم کی وہ قسم ہے جس تک عامۃ الناس رسائی حاصل نہیں کر پاتے۔ تمام خواص بھی اس کے مکلّف نہیں ہیں، تاہم جب خاصہ میں سے کچھ لوگ اس کا اہتمام کر لیں (تو کافی ہے، البتہ) خاصہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تمام کے تمام اس سے الگ ہو جائیں۔ چنانچہ جب خواص میں سے بقدر کفایت لوگ اس کا التزام کر لیں تو باقی پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس کا التزام نہ کریں۔''

چنانچہ اجماع وقیاس کے زیر عنوان اُن کے درج ذیل اقتباس سے واضح ہے کہ اُن کے نزدیک سنت کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو مجمع علیہ ہے اور دوسری وہ جو اخبار آحاد کے طریقے پر منتقل ہوئی ہے۔ مزید برآں انھوں نے اِن دونوں میں استدلال کی قوت اور حجت کی نوعیت کے اعتبار سے بھی فرق کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

يحكم بالكتاب والسنة المجتمع عليها الذى لهذا حكمنا بالحق في الظاهر والباطن. ويحكم بالسنة قد رويت من طريق الإنفراد لا يجتمع الناس عليها. فنقول حكمنا بالحق في الظاهر لأنه قد يمكن الغلط فيمن روى الحديث.[1]

''(اجماع وقیاس کے معاملے میں) کتاب اللہ اور اُس مجمع علیہ سنت سے استدلال کیا جائے گا جس میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس اجماع وقیاس کو یہ کہیں گے کہ ہم نے اُس حق سے استدلال کیا ہے، جو ظاہر وباطن میں حق ہے۔ اور اُس سنت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، جو خبر آحاد کے طور پر آئی ہے اور وہ مجمع علیہ نہیں ہے۔ اُس کو ہم یہ کہیں گے کہ ہم نے ظاہری طور پر حق ہی سے حجت پکڑی ہے۔ کیونکہ جس نے روایت کی ہے اُس میں نقص ہو سکتا ہے۔''

امام ابو زہرہ نے امام شافعی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ وہ مشمولات حدیث وسنت کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: وہ حصہ جو متواتر ہے، اُسے وہ سنت ثابتہ قرار دیتے اور حجت کے اعتبار سے قرآن مجید کے مساوی سمجھتے ہیں اور وہ حصہ جو اخبار آحاد پر مبنی ہے، اُسے قرآن کے مساوی قرار نہیں دیتے۔ وہ اُس کے منکر کو دائرۂ اسلام سے خارج بھی

۱؎ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالۃ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۵ء، ص ۳۷۳۔



www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نہیں سمجھتے۔ ابوزہرہ لکھتے ہیں:

أن الشافعي يجعل العلم بالسنة فى مجموعها في مرتبة القرآن لا أن كل مروي عن الرسول مهما تكن طرقه في مرتبة الآي المتواترة القاطعة في صدقها، فإن أحاديث الآحاد ليست فى مرتبة الأحاديث المتواترة أو المستفيضة المشهورة، فضلا عن الآيات القرآنية القاطعة في ثبوتها، وإن الشافعي قد نبه إلى ذلك، إذ قيد السنة التي في مرتبة القرآن بالسنة الثابتة. فقد قال: المرتبة الأولى الكتاب والسنة إذا ثبتت. ولئن حكم الشافعي بأن القرآن والسنة الثابتة مرتبة من العلم واحدة.[۲۷]

”امام شافعی قرآن کے مرتبہ میں جس سنت کو رکھتے ہیں وہ مجموعۂ سنت ہے، ہر وہ حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو، خواہ کسی طریق سے ہو، قطعی الثبوت آیات متواترہ کے مقابلہ میں نہیں رکھی جا سکتی۔ اگر احادیث آحاد اپنے اپنے مرتبے میں احادیث متواترہ اور مستفیضہ مشہورہ کے برابر نہیں ہیں تو وہ قطعی الثبوت آیات قرآنی کے برابر کیسے ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ امام شافعی نے اس بات پر متنبہ کیا ہے اور مرتبۂ قرآنی میں جس سنت کو رکھا ہے، وہ سنت ثابتہ ہے، جیسا کہ اُنھوں نے کہا ہے کہ ادلۂ احکام میں پہلا درجہ کتاب اللہ کا اور اُس سنت کا ہے جو ثابت شدہ ہے، گویا شافعی نے جو حکم لگایا ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن اور سنت ثابتہ کا از روے حکم درجہ ایک ہے۔“

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

تواتر اور آحاد کے اسی فرق کی بنا پر امام ابن حزم بھی سنت کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک قسم ’نقل الكافه عن الكافه‘ پر اور دوسری اخبار آحاد پر مبنی ہے۔ ”الاحکام فی اصول الاحکام“ میں لکھتے ہیں:

فوجدنا الأخبار تنقسم قسمين: خبر تواتر، وهو ما نقلته كافة بعد كافة حتى تبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم وهذا خبر لم يختلف مسلمان في وجوب الأخذ به، وفي أنه حق مقطوع على غيبه؛ لأن بمثله عرفنا أن القرآن هو الذي أتى به محمد صلى الله عليه وسلم وبه علمنا صحة مبعث النبي صلى الله عليه وسلم وبه علمنا

”اخبار کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم خبر متواتر ہے جسے تمام لوگ تمام لوگوں سے اس طرح منتقل کرتے ہیں کہ ان کا سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ ایسی خبر کے قابل احتجاج ہونے اور قطعی طور پر حق ہونے کے حوالے سے مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اخبار متواترہ ہی سے ہمیں معلوم ہوا کہ قرآن وہ کتاب ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ انھی سے آپ کی رسالت کا اثبات ہوا۔ انھی سے نمازوں کے

۲۷؎ محمد ابوزہرہ، امام شافعی عہد اور حیات، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۳۴۹۔

عدد رکوع کل صلٰوۃ وعدد الصلوات، وأشیاء کثیرۃ من أحکام الزکٰوۃ و غیر ذلك مما لم یبین في القرآن تفسیرہ، ... القسم الثاني من الأخبار ما نقله الواحد عن الواحد[۳۷]

رکوع اور کل نمازوں کی تعداد اور بہت سے احکام زکٰوۃ معلوم ہوئے۔ اور ایسے بہت سے احکام معلوم ہوئے جو تفصیلاً قرآن میں مذکور نہیں۔... دوسری قسم اُن اخبار پر مشتمل ہے جنھیں (تمام لوگ بحیثیت جماعت نہیں، بلکہ) ایک فرد دوسرے فرد کو منتقل کرتا ہے۔''

اخبار متواترہ اور اخبار آحاد کا یہی وہ فرق ہے جس کی بنا پر علماے امت کی اکثریت اِس بات کی قائل ہے کہ خبر واحد سے ملنے والا علم قرآن مجید اور سنت متواترہ کے مرتبے کا حامل نہیں ہے۔ چنانچہ نہ وہ علم وعقیدہ کو واجب کرتا ہے اور نہ مستقل بالذات احکام کا ماخذ ہے۔ امام ابن حزم نے احناف، شوافع اور جمہور مالکیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اِن مکاتب فکر کا خبر واحد کو واجب العلم نہ ماننے پر اتفاق ہے۔ لکھتے ہیں:

وقال الحنفیون والشافعیون وجمهور المالکیون وجمیع المعتزلة والخوارج: إن خبر الواحد لا یوجب العلم واتفقوا کلهم فی هذا.[۴۷]

''حنفیوں، شافعیوں اور جمہور مالکیوں اور تمام معتزلہ اور خوارج کی راے یہ ہے کہ خبر واحد علم کو واجب نہیں کرتی اور اِس بات پر اِن سب کا اتفاق ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ابو زہرہ نے بیان کیا ہے کہ امام شافعی اخبار آحاد کے منکر کو اِسی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کرتے، کیونکہ اِن سے حاصل ہونے والا علم قطعی نہ ہونے کی وجہ سے عقیدے کو ثابت نہیں کرتا، جبکہ عقائد کو قطعی الثبوت بھی ہونا چاہیے اور قطعی الدلالۃ بھی۔ لکھتے ہیں:

أن جعل العلم بالسنة في مرتبة الکتاب عند إستنباط الأحکام في الفروع لیس معناہ أنها کلها في منزلته في إثبات العقائد، فإن منکر شيء مما جاء ت به السنن لیس کمنکر شيء جاء به صریح القرآن الکریم الذي لا تأویل فیه، أولیس للتأویل فیه مجال

''امام شافعی نے علم سنت کو مرتبۂ کتاب میں استنباط احکام فروعی کے سلسلہ میں رکھا ہے نہ کہ اثبات عقائد میں اسے وہی حیثیت دی ہے، کیونکہ جو شخص سنت کی کسی چیز کا انکار کرتا ہے، وہ ویسا منکر نہیں ہے جو صریح احکام قرآنی کا انکار کرتا ہو جو تاویل سے ماورا ہیں۔ کیونکہ جو قرآن کی لائی ہوئی کسی چیز کا انکاری ہے، وہ

---

۳۷؎ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲۳، ۱۲۷۔

۴۷؎ ایضاً، ج ۱، ص ۱۳۸۔

قـط، فإن من ينكر شيئاً مما جاء به القرآن على ذلك النحويكون مرتداً عن الإسلام، أما منكر ما جاء في أحاديث الآحاد من السنة فلا يخرج عن الإسلام، لأن العقائد يجب أن يكون ثبوتها بطريق قطعي السند والدلالة، وليست أخبار الآحاد قطعية السند، فلا يخرج عن الإسلام منكر ما جاء فيها.[۵۷]

مرتد ہے، خارج از اسلام ہے، لیکن جو سنت کی احادیث آحاد کی کسی چیز سے منکر ہے، وہ خارج از اسلام نہیں ہے، کیونکہ عقائد کو اپنے ثبوت میں قطعی الثبوت والدلالت ہونا چاہیے اور اخبار آحاد قطعی السند نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کا منکر خارج از اسلام نہیں قرار دیا جا سکتا۔‘‘

سمرقندی نے ’’میزان الاصول‘‘ میں بیان کیا ہے کہ اُس خبر واحد کو قبول ہی نہیں کیا جائے گا جو کسی عقیدے کو ثابت کر رہی ہو:

’’خبر واحد کسی اسلامی عقیدہ کو ثابت نہیں کر سکتی ہے، کیونکہ یہ خبر موجب عمل تو ہے مگر موجب علم نہیں۔ اور اِس سے علم قطعی حاصل نہیں ہوتا۔ اِس لیے اگر اِس خبر سے کوئی عقیدہ ثابت ہو رہا ہو تو اس خبر کو رد کر دیا جائے گا‘‘۔[۵۸]

یہ علماے امت کا عمومی موقف ہے۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ ظاہری علما کے علاوہ کسی نے اِس نقطۂ نظر کو اختیار نہیں کیا کہ اخبار آحاد کو عقائد کا ماخذ و مبنیٰ بنایا جا سکتا ہے:

’’اسلام کے ایک چھوٹے سے فرقے کے سوا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ غالی ظاہریہ کے سوا کوئی اِس کا قائل نہیں کہ عقائد کا ثبوت قرآن کے علاوہ کسی اور طور سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عقیدہ نام ہے یقین کا، اور یقین کا ذریعہ صرف ایک ہے، اور وہ وحی اور اس وحی کا تواتر ہے۔ اس لیے عقائد کا مبنیٰ صرف قرآن پاک یا احادیثِ متواترہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ حدیث متواترہ کا مطلق وجود نہیں، یا ایک دو سے زیادہ نہیں۔ ایسی حالت میں عام احادیث عقائد کا مبنیٰ نہیں قرار پا سکتی ہیں۔ عموماً احادیث روایت آحاد ہیں اور اِن کا ایک حصہ مستفیض ہے، یعنی صحابہ کے بعد اِن کے راویوں کی کثرت ہوئی ہے۔ اِس لیے یہ روایتیں صرف قرآن پاک کی آیات کی تائید میں کام آ سکتی ہیں، مستقلاً اِن سے عقائد کا ثبوت حاصل نہیں کیا جا سکتا‘‘۔[۵۹]

---

۵۷؎ ابو زہرہ، محمد، الإمام الشافعي حیاته وعصره، بیروت: ص ۱۶۹۔

۵۸؎ سمرقندی، میزان الاصول فی نتائج المعقول، ص ۴۳۴۔

۵۹؎ ندوی، سید سلیمان، ماہنامہ اشراق، دسمبر ۱۹۹۶ء، ص ۳۲۔



www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

یہی موقف ہے جسے دور حاضر کے بعض جلیل القدر اہل علم سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا سرفراز خان صفدر نے سلف کے موقف کے طور پر اختیار کیا ہے۔[78] مولانا مودودی نے امام سرخسی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ تواتر ہی وہ ذریعہ ہے جس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے، لہٰذا کفر و ایمان کا مدار اِسی ذریعے سے حاصل ہونے والے علم پر کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک اخبار آحاد کا تعلق ہے تو اِنھیں ایمانیات کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ لکھتے ہیں:

''... مدارِ کفر و ایمان اگر ہو سکتے ہیں تو صرف وہ امور ہو سکتے ہیں جو کسی یقینی ذریعۂ علم سے ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے ہوں۔ اور وہ ذریعہ یا تو قرآن ہے یا پھر نقل متواتر، جس کی شرائط امام سرخسی نے واضح طور پر بیان کر دی ہیں[79]۔ باقی جو چیزیں اخبار آحاد یا روایات مشہورہ سے نقل ہوتی ہیں، وہ اپنی اپنی دلیل کی قوت کے مطابق اہمیت رکھتی ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی یہ اہمیت نہیں ہے کہ اسے ایمانیات میں داخل کر دیا جائے۔ اور اس کے نہ ماننے والے کو کافر ٹھیرایا جائے[80]۔''

مولانا ظفر احمد عثمانی نے بیان کیا ہے کہ اخبار آحاد پر مبنی احادیث کو ضروریات دین میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ لکھتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تمام احادیث جنھیں صرف ایک راوی کے علاوہ کوئی دوسرا نہ جانتا ہو تو وہ ضروریات دین میں سے نہیں ہیں، کیونکہ ضروریات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق عموم تبلیغ فرمایا ہے نہ کہ مخصوص طریقہ پر[81]۔''

مولانا سرفراز خان صفدر امام تفتازانی کی ''شرح عقائد'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عقائد کے معاملے میں خبر واحد پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا:

''... اصولی طور پر حدیث کی دو قسمیں ہیں خبر متواتر اور خبر واحد۔ خبر واحد اگرچہ ظن کا فائدہ دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عقائد میں اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ عقیدہ کی بنیاد قطعی ادلہ پر ہے جو قرآن کریم اور خبر متواتر اور اجماع ہیں۔ چنانچہ علامہ مسعود بن عمر الملقب بسعد الدین تفتازانیؒ لکھتے ہیں کہ خبر واحد ان تمام شرائط پر مشتمل ہونے کے باوجود بھی جو اصول فقہ میں بیان کی گئی ہیں ظن کا فائدہ دیتی ہے اور اعتقادیات کے باب میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں

---

۷۸؎ واضح رہے کہ جب ہمارے علما احادیث آحاد سے عقیدے کو ثابت تسلیم نہیں کرتے تو اس کا سبب یہ قطعاً نہیں ہے کہ معاذ اللہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام نہیں دیتے، اس کا سبب فقط یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نسبت کو یقینی نہیں سمجھتے۔

۷۹؎ اپنے اس مضمون میں مولانا نے فقہ حنفی کے نامور عالم سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اصول السرخسی'' کے حوالے سے خبر واحد اور خبر متواتر کے بارے میں، ان کی رائے درج کی ہے، جو ان کے درج بالا موقف کی تائید کرتی ہے۔

۸۰؎ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، رسائل و مسائل، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ج ۳ ص ۷۹۔

۸۱؎ عثمانی، ظفر احمد، قواعد فی علوم الحدیث، ص ۴۵۴۔

ہے۔[۸۲]

اجماع وتواتر اور اخبار آحاد کے بارے میں مدرسۂ فراہی کے علما بھی اسی نقطۂ نظر کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ اجماع و تواتر سے ملنے والے مشمولات حدیث وسنت کو قطعی الثبوت قرار دیتے اور دین کے مستقل بالذات اجزا کے طور پر قبول کرتے ہیں، جبکہ اخبار آحاد سے ملنے والے مشمولات کو ظنی الثبوت تصور کرتے اور انھیں مستقل بالذات اجزا کے طور پر قبول نہیں کرتے۔ اسی بنا پر وہ اِن دو مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والے دین کی نوعیت اور مقام ومرتبے میں فرق قائم کرتے ہیں[۸۳]۔ چنانچہ مولانا فراہی حدیث کو دین اور تفسیر کے خبری ماخذوں میں شمار کرتے اور اصل کے بجائے فرع کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ ''مجموعۂ تفاسیر فراہی'' میں ان کے درج ذیل الفاظ سے یہی بات مفہوم ہوتی ہے:

''... اگر احادیث، تاریخ اور قدیم صحیفوں میں ظن اور شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے، بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی اور سب بلا اختلاف ایک دوسرے کی تائید کرتے[۸۴]۔''

بعینہٖ یہی موقف مولانا اصلاحی کا ہے۔ اُن کے نزدیک سنت نہ خبر واحد سے ثابت ہوتی ہے اور نہ قولی تواتر سے، بلکہ یہ عملی تواتر سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے، کیونکہ وہ ظنی ہیں۔ سنت اِن کے مقابلے میں قطعی ہے۔ ''مبادیِ تدبر حدیث'' میں لکھتے ہیں:

''سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے، جن میں صدق وکذب، دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے۔

جس طرح قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تمام تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا، بلکہ یہ چیزیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائیں۔ آپ سے صحابہ کرامؓ نے، ان سے تابعینؒ پھر تبع تابعینؒ نے سیکھا۔ اسی طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے۔ اگر روایات کے ریکارڈ میں ان کی تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت

---

۸۲؎ صفدر، محمد سرفراز خان، مولانا، شوق حدیث، گوجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ، ۲۰۱۲ء، ۱۴۳۔

۸۳؎ چنانچہ وہ 'سنت' اور 'حدیث' کی اصطلاحات کو مترادف معنوں میں استعمال کرنے کے بجائے مختلف معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ سنت کی اصطلاح ان کے نزدیک اس حصے کے لیے زیادہ موزوں ہے جو اجماع اور عملی تواتر سے ملا ہے، اور حدیث کا انطباق اخبار آحاد کے حسب حال ہے۔ لہٰذا سنت قرآن ہی کی طرح قطعی الثبوت ہے اور کذب کے احتمال سے پاک ہے، جبکہ حدیث ظنی الثبوت ہے اور صدق وکذب، دونوں کی محتمل ہے۔

۸۴؎ فراہی، حمید الدین، مجموعۂ تفاسیر فراہی، (مترجم: اصلاحی، امین احسن)، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء، ص ۳۷۔



www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہے۔ اگر وہ عملی تواتر کے مطابق ہے تو فبہا اور اگر دونوں میں فرق ہے تو ترجیح بہرحال امت کے عملی تواتر کو حاصل ہو گی۔ اگر کسی معاملے میں اخبارِ آحاد ایسی ہیں کہ عملی تواتر کے ساتھ ان کی مطابقت نہیں ہو رہی ہے تو ان کی توجیہ تلاش کی جائے گی۔ اگر توجیہ نہیں ہو سکے گی تو بہرحال انھیں مجبوراً چھوڑا جائے گا، اس لیے کہ وہ ظنی ہیں اور سنت، ان کے بالمقابل قطعی ہے۔''[۸۵]

غامدی صاحب کا موقف بھی اجماع و تواتر اور اخبارِ آحاد سے ملنے والے اجزاے دین میں واضح امتیاز کا عکاس ہے۔ چنانچہ وہ اسی بنا پر قرآن و سنت اور احادیث میں یہ فرق قائم کرتے ہیں کہ اول الذکر اصل اور مستقل بالذات دین کا ماخذ ہیں، جبکہ ثانی الذکر شرح و فرع اور تفہیم و تبیین تک محدود ہیں:

''جس طرح قرآن خبرِ واحد سے ثابت نہیں ہوتا، اِسی طرح سنت بھی اِس سے ثابت نہیں ہوتی۔ سنت کی حیثیت دین میں مستقل بالذات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِسے پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ انسانوں تک پہنچانے کے مکلّف تھے۔ اخبارِ آحاد کی طرح اِسے لوگوں کے فیصلے پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا کہ وہ چاہیں تو اِسے آگے منتقل کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔ لہٰذا قرآن ہی کی طرح سنت کا ماخذ بھی امت کا اجماع ہے اور وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے امت کو ملا ہے، اِسی طرح یہ اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے، اِس سے کم تر کسی ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ کی تفہیم و تبیین کی روایت تو بے شک، قبول کی جا سکتی ہے، لیکن قرآن و سنت کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتے۔''[۸۶]

اجماع و تواتر اور اخبارِ آحاد کے اسی فرق کی بنا پر مدرسۂ فراہی کے علما سمجھتے ہیں کہ اخبارِ آحاد پر مبنی احادیث سے دین میں کسی عقیدے کا اضافہ نہیں ہوتا۔[۸۷] مولانا فراہی نے بیان کیا ہے:

---

۸۵؎ اصلاحی، امین احسن، مبادیِ تدبرِ حدیث، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء، ص ۱۹-۲۴۔

۸۶؎ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۰۹ء، ص ۶۰۔

۸۷؎ بعض ناقدین نے یہ غلط مبحث پیدا کیا ہے کہ غامدی صاحب جب خبرِ واحد پر مبنی احادیث کو عقیدہ و عمل میں اضافے کے لیے ممتنع قرار دیتے ہیں تو وہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ و عمل میں اضافے کے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کا تنہا ماخذ سمجھتے ہیں اور دین کے تمام عقائد و اعمال کو آپ ہی کے قول و فعل اور تقریر و تصویب پر منحصر قرار دیتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ کون سی چیز آپ سے ثابت ہے اور کون سی ثابت نہیں ہے۔ قرآن و سنت کے جملہ مشمولات کی نسبت آپ سے قطعی ہے، اس لیے وہ عقائد کا مبنیٰ بھی ہیں اور اعمال کا بھی۔ احادیثِ آحاد کے مندرجات کی نسبت آپ سے قطعی نہیں ہے، اس لیے وہ قرآن و سنت کے بیان کردہ عقائد و اعمال کی شرح و وضاحت تو یقیناً

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

والتفسير بحديث يناسب المقام، إذا لم يقرر عقيدة و مذهباً مامون، ولكن مع ذلك ظني.[88]

''موقع ومحل کے لحاظ سے حدیث کے ذریعہ تفسیر میں اس وقت کوئی حرج نہیں جب کہ عقیدہ ومذہب کا اثبات مقصود نہ ہو گو کہ اس کے باوجود وہ ظنی ہی ہوگی۔''

مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

''... عقائد کی بنیاد لازماً قرآن پر ہونی چاہیے۔کوئی عقیدہ خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا۔''[89]

غامدی صاحب نے اس ضمن میں عقیدے کے ساتھ عمل کو بھی شامل کیا ہے[90] اور اِس کے ساتھ اِس بات کو امر واقعہ کے طور پر بیان کیا ہے کہ احادیث میں جو چیزیں بھی بیان ہوئی ہیں، وہ قرآن اور سنت کی تفہیم وتبیین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے بیان پر مشتمل ہیں۔اُن کے الفاظ ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کے اخبار آحاد جنھیں بالعموم ''حدیث'' کہا جاتا ہے، اِن کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اِن سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کبھی درجۂ یقین کو نہیں پہنچتا، اِس لیے دین میں اِن سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔دین سے متعلق جو چیزیں اِن میں آتی ہیں، وہ درحقیقت، قرآن وسنت میں محصور اِسی دین کی تفہیم وتبیین اور اِس پر عمل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان کر سکتے ہیں، مگر اِن میں کسی اضافے کا باعث نہیں بن سکتے۔اُن کا یہ موقف فرضیے کا نہیں، بلکہ واقعے کا بیان ہے جس کا ملاحظہ اُن کی تصنیف ''میزان'' میں برملا کیا جا سکتا ہے۔اس میں ذخیرۂ حدیث کی تمام نمایندہ روایات کو قرآن وسنت میں مذکور عقائد واعمال کی شرح وفرع کے طور پر سامنے لایا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

[88] الفراہی، عبدالحمید، التکمیل فی اصول التاویل، اعظم گڑھ: الدائرۃ الحمیدیہ، ۲۰۱۰ء، ص ۶۹۔

[89] رسالہ ''تدبر''عدد ۳۷،ص ۱۸، اشاعت نومبر ۱۹۹۱ء۔

[90] یعنی اُن کے نزدیک دین کے عقائد واعمال، دونوں اجماع وتواتر کے قطعی الثبوت ذرائع پر منحصر ہیں یہ راے بعض سابق اہل علم کی بھی ہے جو اس کے واجب العلم نہ ہونے ہی کی بنا پر اس کے واجب العمل ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں۔''کشف الاسرار'' میں ہے:

وقال بعض الناس: لايوجب العمل لأنه لا يوجب العلم و لا عمل إلا عن علم، قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ولا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ ۔... فاستقام أن يثبت غير موجب عِلم اليقين.

''بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ (خبر واحد) عمل کو بھی واجب نہیں کرتی، کیونکہ علم کے بغیر نہ علم واجب ہوتا ہے اور نہ عمل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: 'ولا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ' (جس چیز کا تمھیں علم نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑو)۔...چنانچہ انھوں نے اس راے پر ثابت قدمی اختیار کی ہے کہ اس سے علم یقین کے عدم وجوب کا اثبات ہوتا ہے۔''

ہیں۔ حدیث کا دائرہ یہی ہے۔ چنانچہ دین کی حیثیت سے اِس دائرے سے باہر کی کوئی چیز نہ حدیث ہوسکتی ہے اور نہ محض حدیث کی بنیاد پر اُسے قبول کیا جاسکتا ہے۔''[91][92]

[باقی]

91 غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۔

92 یہاں واضح رہے کہ خبر واحد کو واجب العلم اور واجب العقیدہ تسلیم نہ کرنے کے باوجود اس سے عمل کے وجوب کو بالعموم تسلیم کیا گیا ہے۔ امام بزدوی کا قول ہے:

وھذا یوجب العمل ولا یوجب العلم یقیناً عندنا.

(البخاری، عبدالعزیز بن احمد، کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، کراچی: قدیمی کتب خانہ، ج ۱، ص ۶۷۸)

یہی علماے امت کی اکثریت کی راے ہے۔ بعض جلیل القدر اہل علم، البتہ اس بات کے قائل ہیں کہ خبر واحد عمل کے ساتھ ساتھ علم کو بھی واجب کرتی ہے۔ علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' میں اپنے استاذ امام ابن تیمیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث علم یقین کا فائدہ دیتی ہے اور بخاری و مسلم کی تمام حدیثیں اس سطح کی ہیں کہ ان سے علم یقین کا فائدہ حاصل کیا جائے۔ لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امت محمدیہ میں سے اولین و آخرین جمہور امت کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ پہنچاتی ہے،... اور یہ تو متعین ہے کہ پوری امت روایت کرنے اور راے قائم کرنے میں خطا سے محفوظ اور معصوم ہے۔ ایک ایک انفرادی بات تو اپنی شرائط کے اعتبار سے کبھی ظن کے درجے میں ہوتی ہے، لیکن اگر قوت آ گئی تو علم بن جاتی ہے اور اگر ضعف آ گیا تو وہ وہم اور فاسد خیال بن جاتی ہے۔ لہٰذا خوب جان لو کہ بخاری اور مسلم کی تمام احادیث اسی قبیل سے ہیں۔ پھر جس حدیث کو محدثین اور علما نے قبول کیا اور اس کی تصدیق کی اس سے علم یقینی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔''

(ابن قیم، شمس الدین ابوعبداللہ، الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۷ء، ج ۲، ص ۱۱۵)

امام ابن قیم خود بھی امام ابن تیمیہ ہی کے نقطۂ نظر کے موید ہیں۔ ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

''یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ''بلاغ'' اسی کا نام ہے جس سے مخاطب پر حجت قائم ہو اور اس سے علم حاصل ہو، لہٰذا اگر خبر واحد سے علم حاصل نہ ہوتا تو اس سے تبلیغ کا وہ فریضہ بھی ادا نہ ہوتا جس سے بندہ پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوتی ہے اور حجت تو اسی بات سے قائم ہوتی ہے کہ جس سے علم حاصل ہوتا ہو۔''

(ابن قیم، شمس الدین ابوعبداللہ، الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۷ء، ج ۲، ص ۱۱۵)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

امام ابن حزم بھی اسی راے کے قائل ہیں کہ خبر واحد علم اور عمل، دونوں کو واجب کرتی ہے۔ لکھتے ہیں:

إن خبر الواحد العدل عن مثله إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يوجب العلم والعمل معًا.

''عادل راوی کی دوسرے عادل راوی سے خبر واحد علم اور عمل کو ایک ساتھ واجب کرتی ہے۔''

(ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، الإحکام فی اصول الأحکام، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۴ء، ج۱، ص۱۳۸)

دور حاضر کے علما میں سے علامہ ناصر الدین البانی نے بھی اسی راے کو اختیار کیا ہے۔ اپنے رسالے ''حجیت حدیث'' میں لکھتے ہیں:

''...مسلمان پر واجب ہے کہ ہر اس حدیث پر ایمان رکھے جو محدثین کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، خواہ وہ عقائد کے باب کی ہو یا احکام کے باب کی، متواتر ہو یا آحاد، آحاد سے خواہ قطعیت اور یقین کا فائدہ پہنچتا ہو یا ظن غالب کا۔'' (البانی، ناصر الدین، حجیت حدیث، ص۱۴۱)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رضوان اللہ

# بعد از موت

(۱۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فرض کیجیے کہ جنت میں سب کچھ ہوتا، مگر وہاں کے باسی اپنے جیون ساتھیوں سے محروم ہوتے تو لازم ہے کہ وہ جنت جنت ہو کر بھی ویران اور سونی ہوتی۔ وہاں کے آدم سب کچھ پا کر بھی وصال یار کے لیے تڑپتے اور حوائیں ہجر و فراق میں سسکتیں اور رویا کرتیں۔ بلکہ جب بھی شراب و کباب کی محفلیں آراستہ ہوتیں تو ان سے حظ اٹھانا تو دور کی بات، یہ تنہائیاں انھیں مزید اضطراب اور بے کلی میں مبتلا کر دیا کرتیں۔ سو جنت میں جہاں بہت سی دوسری چیزوں کا ذکر ہوا، وہاں اہل جنت کو ان کے رفیق اور ہم نشین دیے جانے کا مژدہ بھی سنایا گیا۔[۱] انھیں بتایا گیا کہ وہاں کی رعنائیوں اور رنگینیوں میں اور زیادہ رنگ بھرنے کے لیے نازنینوں کی رفاقت بھی میسر ہو گی۔ ان کی خدمت میں انواع و اقسام کے کھانے ہی پیش نہ کیے جائیں گے، اپنے قیس کو لقمے بنا بنا کر کھلانے والی لیلائیں بھی ان کے ساتھ ہوں گی۔ صرف پینے کے لوازمات نہ ہوں گے، جن پر خود پیالوں کے سینے بھی دھڑک اُٹھیں، وہ نازک اندام ساقی

---

۱؎ واضح رہے کہ جنت میں اباحیت بالکل نہ ہو گی کہ جو کوئی جنسی جذبے سے مغلوب ہوا وہ جانوروں کی طرح جدھر کو سینگ سمایا، ادھر کو ہو لیا، بلکہ جس طرح یہاں نکاح کے ذریعے سے افراد ایک دوسرے کے ساتھ مخصوص ہو جاتے اور ایک رشتے میں بندھ جاتے ہیں، اسی طرح وہاں بھی یہ رشتہ باقاعدہ بنایا جائے گا:

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ. (الطّور ۵۲: ۲۰)

''اور آہو چشم گوریاں ہم نے اُن سے بیاہ دی ہوں گی۔''

بھی وہاں موجود ہوں گے۔

حسن کی ان شہزادیوں کا قرآن نے تفصیل سے تعارف کرایا ہے[۲] اور ان کے وہ خصائل بیان کیے ہیں جو کسی بھی فرہاد کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اُٹھے، اپنا تیشا اٹھائے، کوہ ستوں کھودے اور جوے شیر نکال دکھائے۔ان کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ مرد آشنا اور کسی کی چھوڑی ہوئی نہ ہوں گی۔ان کے قریب ہونا تو درکنار، اہل جنت سے پہلے انھیں کسی نے چھوا تک نہ ہوگا۔فرمایا ہے کہ ہم نے انھیں ایک خاص اٹھان پر اٹھایا ہے۔وہ عام عورتوں جیسے نسوانی عوارض سے مبرا اور جسمانی تبدیلیوں سے بالکل پاک ہوں گی۔ان کا حسن و جمال اگر اپنی مثال آپ ہوگا تو یہ زوال سے بھی یک سر نا آشنا ہوگا۔وقت گزرنے کے ساتھ ان کی جوانی میں فرق آئے گا نہ دل ربائی میں۔پہلی ملاقات پر یہ جس طرح کی ہوں گی، ہر مرتبہ ملنے پر اسی طرح کی ملیں گی:

لَمۡ یَطۡمِثۡھُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَھُمۡ وَلَا جَآنٌّ. (الرحمٰن ۵۵:۵۶)

”ان (عورتوں) کو اُن سے پہلے کسی انسان یا جن نے ہاتھ نہ لگایا ہوگا۔“

یہ ایک سے زیادہ ہوں گی، اس لیے ہوسکتا تھا کہ ان کے درمیان میں سوتنوں کی چشمک اور جلاپا ہو۔مگر ان پری چہروں میں وہ کمزوریاں ہی نہ ہوں گی جو باہمی حسد کو پیدا کیا کرتی ہیں۔ایک بے حد حسین ہو اور دوسری انتہا درجے کی بدصورت ہو، ایک میں دل کو لبھانے اور پھر اسے چرا لینے کی ہرادا ہو اور دوسری مزاج کی درشت اور طبیعت کی آدم بے زار ہو، ایک جوان ہو، شباب کی نمایاں مثال ہو اور دوسری بڑھاپے کی طرف مائل ہو زوال اور تنزل کی نظیر ہو اور اس کے بال بال میں چاندی بھی جھلک آئی ہو، یہی چیزیں ہوتی ہیں جن سے مرد کا میلان ایک طرف ہونے لگتا اور پھر لازمی نتیجے کے طور پر عورتوں کے درمیان میں حسد اور رشک پیدا ہونے لگتا ہے۔جنت کی عورتوں میں اس طرح کا تفاوت بالکل نہیں ہوگا۔حسینائیں تو سب ہوں گی اور دل ربائی بھی ہر ایک کی فطرت میں ہوگی، اس کے ساتھ ساتھ وہ سب ہم سن بھی ہوں گی۔چنانچہ اہل جنت کے ہاں نہ ایک کی طرف رجحان اور دوسری سے بے زاری پیدا ہوگی اور نہ ان عورتوں میں باہمی چپقلش کا احساس پیدا ہوگا۔یہ سب آپس میں شیر وشکر اور جنتیوں کی دل جوئی کرتی

---

۲؎ مرد و زن، دونوں کو جیون ساتھی ملنے چاہییں، مگر جنت کے بیان میں صرف عورتوں کا ذکر ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرد کے لیے عورت بنیادی طور پر ایک نعمت ہے اور مرد اس کے لیے ایک ضرورت۔جنت چونکہ اپنی حقیقت میں سراسر نعمت ہے، اس لیے یہی موزوں ہوا کہ اس کے بیان کے ذیل میں صرف عورتوں کا ذکر کیا جائے:

اِنَّآ اَنۡشَاۡنٰھُنَّ اِنۡشَآءً، فَجَعَلۡنٰھُنَّ اَبۡکَارًا، عُرُبًا اَتۡرَابًا.(الواقعہ ۵۶:۳۵-۳۷)

”ہم نے اُنھیں ایک خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا اور اُنھیں کنواری، دل ربا اور ہم سن بنا دیا ہوگا۔“

ہوں گی۔قرآن مجید نے 'وَ کَوَاعِبَ اَتۡرَابًا' اور 'عُرُبًا اَتۡرَابًا' کے الفاظ استعمال کرکے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ عورتیں صرف حسن و جمال کی مالک نہ ہوں گی، عصمت کی دیویاں اور عفت کی مورتیاں بھی ہوں گی۔خوب صورت نہیں، خوب سیرت بھی ہوں گی۔ یہ اخلاق باختہ نہیں، پاکیزہ ہوں گی۔ جفا کار اور بے وفا نہیں، باوفا، شرمیلی اور باحیا ہوں گی۔قرآن مجید میں ان کے غزال چشم ہونے اور سنہری اور سفید رنگ ہونے کا ذکر ہوا تو اس کے ساتھ ساتھ ان کی شرمگیں نگاہوں کا اور موتیوں کے مانند ان کے اچھوتے اور محفوظ ہونے کا بھی ذکر ہوا:

وَ حُوۡرٌ عِیۡنٌ، کَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَکۡنُوۡنِ. (الواقعہ ۵۶: ۲۲-۲۳)

''اور اُن کے لیے آہو چشم گوریاں ہوں گی، چھپا کر رکھے ہوئے موتیوں کی طرح۔''

وَعِنۡدَھُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِیۡنٌ، کَاَنَّھُنَّ بَیۡضٌ مَّکۡنُوۡنٌ. (الصافات ۳۷: ۴۸-۴۹)

''اُن کے پاس نیچی نگاہوں والی غزال چشم حوریں ہوں گی گویا کہ (شتر مرغ کے) چھپے ہوئے انڈے ہیں۔''

فِیۡھِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ، فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ، حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ، فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ. (الرحمٰن ۵۵: ۷۰-۷۳)

''اُن میں خوب سیرت، خوب صورت بیویاں۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن شانوں کو جھٹلاؤ گے! خیموں میں ٹھیرائی ہوئی گوریاں۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن شانوں کو جھٹلاؤ گے!''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وہاں اہل جنت کی خوشی کا اس قدر لحاظ ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کی ذاتی آرزوئیں پوری کرنے کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ ہر کسی کے ارمانوں کی ایک اپنی ہی دنیا ہوتی ہے، سو اس کے لیے ویسی ہی دنیا بنا دی جائے گی۔کسی کو جنت میں بیٹھ کر باتیں کرنا اور خوش گپیوں میں مگن رہنا اچھا لگے گا تو کسی کو دوستوں سے ملاقاتیں کرنا اور ان کے ساتھ ضیافتیں اڑانا۔کسی کو چاندراتوں میں نشستیں جمانا اور ماضی کی داستانوں سے حظ اٹھانا مسرت دے گا اور کسی کو مزاح کی محفلیں بپا کرنا اور خوب خوب مزے اڑانا۔کوئی لفظوں کی شاعری سے لطف اندوز ہونا چاہے گا اور کوئی جسم کی شاعری سے شادکام ہونا۔کسی کا ذوق ہوگا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے پتھر تراشے اور کسی کا اشتیاق ہوگا کہ خود صنم بن کر رہ جائے۔کسی کی انگلیاں بے تاب ہوئی جائیں گی کہ بے جان تاروں میں روح پھونک دیں اور کسی کا گلہ لحن داؤدی کو گانے اور ہم نواؤں کو سنانے کے لیے تڑپتا ہوگا۔کوئی موئے قلم سے ہر سو رنگ بکھیرتا ہوگا اور کسی کا من رنگ اور شباب میں ڈوب جانے کو کرتا ہوگا۔کچھ ایسے بھی ہوں گے جنھیں وہاں جا کر بھی فلسفے کی اُلجھنوں میں اُلجھنا اچھا لگے گا اور کچھ وہ بھی ہوں گے جنھیں فقہی مسائل میں اتر کر دور کی کوڑی لانا اور بال کی کھال اتارنا بھلا لگے گا۔کسی کو سونا چاندی پا لینے

کے بعد بھی کیمیا گری کا سودا ہوا کرے گا اور کسی کو ڈھیروں مال کا مالک ہو جانے کے بعد بھی تجارت اور سوداگری کا نشہ ہوا کرے گا۔ کسی کا دل چاہے گا کہ وہ سوت کاتے اور کھڈی بنے اور کسی کا دل چاہے گا کہ وہ کھال اور پوست سے پاپوش سیے۔ کوئی آب و گل کو کام میں لا کر دانا اُگانا چاہے گا تو کوئی چاہے گا کہ وہ آتش اور آہن سے کھیلے اور تیر و تفنگ ڈھالے۔ غرض یہ کہ جو جنتی جس طرح بھی شادمان ہونا چاہے گا، جنت میں اس کا انتظام کر دیا جائے گا:

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ فِىۡ رَوۡضَةٍ يُّحۡبَرُوۡنَ. (الروم ۳۰:۱۵)

''پھر جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہوں گے، وہ ایک شان دار باغ میں شاداں و فرحاں رکھے جائیں گے۔''

اہل جنت کی نعمتیں ان کی قیام گاہوں تک محدود نہ ہوں گی، بلکہ وہ جس طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گے، اپنے لیے انعام ہی انعام پائیں گے۔ حد نگاہ تک ان کی بادشاہی کی دھوم مچی ہوگی۔ جہاں چاہیں گے فروکش ہوں گے، جب دل میں آئے گی، کوچ کریں گے اور کوئی رکاوٹ ان کے سامنے نہ ہوگی۔ رکاوٹیں تو ان کے سامنے ہوتی ہیں جن کی بادشاہیاں ناقص ہوں اور کسی خاص علاقے تک محدود ہو کر رہ جائیں۔ اس کے مقابلے میں اہل جنت اُس بادشاہی کے وارث ٹھیرائے جائیں گے جو بہت بڑی بھی ہے اور کسی نقص کے بغیر بھی۔ اس کی کامل ترین تعبیر قرآن کے الفاظ میں یہ ہے کہ وہاں نہ ماضی کا کوئی غم ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ مزید یہ کہ پروردگار اہل جنت پر اِتمام نعمت کرے گا اور انھیں اس شاہانہ طرز کی صرف ایک نہیں، دو دو جنتیں عطا فرمائے گا:

وَاِذَا رَاَيۡتَ ثَمَّ رَاَيۡتَ نَعِيۡمًا وَّمُلۡكًا كَبِيۡرًا. (الدھر ۷۶:۲۰)

''اور دیکھو گے تو جہاں دیکھو گے، وہاں بڑی نعمت اور بڑی بادشاہی دیکھو گے۔''

وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ صَدَقَنَا وَعۡدَهٗ وَاَوۡرَثَنَا الۡاَرۡضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الۡجَنَّةِ حَيۡثُ نَشَآءُ فَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ. (الزمر ۳۹:۷۴)

''اور وہ کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا۔ اب ہم جنت میں، جہاں چاہیں، ٹھیریں (تو یہ صلہ ہوگا اُن کا)، سو نیک عمل کرنے والوں کا یہ کیا ہی اچھا صلہ ہے!''

وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ، فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. (الرحمٰن ۵۵:۴۶-۴۷)

''اور جو اپنے رب کے حضور میں پیشی سے ڈرتے رہے، اُن کے لیے دو باغ ہیں۔''

وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ. (البقرہ ۲:۲۷۷)

''اور (وہاں) اُن کے لیے کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ وہ کوئی غم کبھی کھائیں گے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مہربانیوں کا یہ سلسلہ اسی پر بس نہیں ہوگا۔ انھیں ایک اور نعمت سے کہ جس کو خدا نے اپنی رضوان سے تعبیر کیا ہے، نوازا جائے گا۔ خدا کی یہی رضوان ہے جو دنیا میں صالحین کی زندگیوں کا اصل مقصد اور ان کی کوششوں کا مدعا رہتی ہے۔ یہ دنیا میں اسی کی خاطر جیتے ہیں، بلکہ دنیا میں تو یہ لوگ فقط رہتے ہیں، جیتے صرف اور صرف خدا کی رضوان ہیں۔ جنت وہ مقام ہے جہاں یہ بیش قیمت اور نایاب نعمت، اپنی کامل صورت میں ان کو حاصل ہو جائے گی:

| | |
|---|---|
| وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ، ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبہ ۹:۷۲) | ’’ان مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے اُن باغوں کے لیے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اور ابد کے باغوں میں پاکیزہ مکانوں کے لیے۔ اور خدا کی خوشنودی، وہ سب سے بڑھ کر ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔‘‘ |

کھانے پینے کے لوازمات، عیش و طرب کے انتظامات اور رضاے الٰہی کے انعامات کی، چاہے نامکمل اور ناقص ہی سہی، ایک طرح کی واقفیت ہمیں ضرور ہوتی ہے۔ پروردگار عالم کی ایک رحمت وہ ہے کہ جس کا اس دنیا میں دھندلا سا تصور کر لینا بھی محال ہے۔ جب یہ برسے گی تو وہ برکتیں نازل ہوں گی کہ سمیٹنا بھی چاہیں تو نہ سمیٹ سکیں۔ ظاہر ہے کہ اہل جنت کے لیے یہ بہت بڑی رحمت ہوگی کہ ان کا رب انھیں سلام بھیجے، اُس کی نظر التفات ہر دم ان پر رہا کرے اور یہ اُس کے انوار کی جھلک دیکھا کریں اور اس کی تجلیات کا مشاہدہ کیا کریں۔ ان کے نزدیک یہ رحمت اتنی گراں مایہ ہوگی کہ انھیں اس کے سامنے کائنات کی ہر شے کم تر، بلکہ خود جنت کی ہر چیز فروتر اور بے قدر محسوس ہوگی۔ صالحین کا اصل رزق یہی ہوگا، اس لیے صبح و شام انھیں اس رزق سے نوازا جائے گا:

| | |
|---|---|
| سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ. (یٰس ۳۶:۵۸) | ’’اُنھیں اُس پروردگار کی طرف سے سلام کہلایا جائے گا جس کی شفقت ابدی ہے۔‘‘ |
| وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا. (مریم ۱۹:۶۲) | ’’اُن کا رزق ان کے لیے صبح و شام اُس میں مہیا ہوگا۔‘‘ |

اہل جنت کو اب یہی زیبا ہوگا کہ وہ اپنے رب کی اِن تمام عنایتوں پر اُس کا شکر بجا لائیں۔ چنانچہ وہ ہر دم ان کا چرچا کریں گے اور اُس کی حمد کے ترانے پڑھیں گے اور اپنے عجز کا اظہار اور اُس کے کرم کی باتیں کریں گے۔ لیکن دوسری طرف بھی ان کا وہ پروردگار ہوگا جو سب قدر دانوں سے بڑھ کر قدر دان ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ اُس کے بندے اِس احساس میں زندگی گزاریں کہ یہ سب حاصل کرنے میں ان کا اپنا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو محض خیرات تھی جو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان کی جھولی میں ڈال دی گئی۔ ظاہر ہے، یہ احساس وہ چیز ہے جسے انسان دل سے نہیں، بلکہ انتہائی ناگواری سے قبول کرتا ہے۔ چنانچہ ان کے شکریے اور عجز و انکساری کے جواب میں اعلان کرا دیا جائے گا کہ یہ جنت تمھیں محض ہماری عنایت سے نہیں ملی، بلکہ اس میں اصل عامل تمھارے اپنے نیک عمل ہیں۔ یہ محض ہمارا فضل نہیں ہے، بلکہ تمھاری ریاضتوں اور جفاکشیوں کا ثمرہ اور تمھاری عمر بھر کی اپنی کمائی ہے۔ گویا وہی ہوگا جو ایک سخی دل اور قدر دان مالک اور اس کے محنتی اور عاجز غلام کے درمیان میں ہوتا ہے۔ غلام اپنی محنت کے بعد بھی کسر نفسی دکھاتا ہے اور مالک اپنی نوازشوں کے باوجود اُس کے کام کی تعریف کرکے اس کی قدر بڑھاتا ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا، وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ، وَ نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (الاعراف ۷: ۴۳)

''اور وہ کہیں گے: اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس راستے کی ہدایت بخشی، اور اگر اللہ ہدایت نہ بخشتا تو ہم یہ راستہ خود نہیں پا سکتے تھے۔ ہمارے پروردگار کے بھیجے ہوئے رسول بالکل سچی بات لے کر آئے تھے۔ (اُس وقت) ندا آئے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کے صلے میں وارث بنائے گئے ہو۔''

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی طبیعت ہے کہ وہ معمول اور یکسانیت سے جلد ہی اُکتا جاتا اور ہر روز اپنے اندر ایک نئی آرزو اور ایک نئی خواہش پال لیتا ہے۔ کیا ایسا تو نہیں ہوگا کہ اہل جنت کو دیے جانے والے لذیذ کھانے، رنگ و شباب سے بھرپور ان کی محفلیں اور رحمت برساتے ان کے شب و روز، ان کو اُکتاہٹ کا شکار کر دیں؟ اور یہ ان سب چیزوں کا مزہ کھو بیٹھیں اور ان کے بجائے کچھ اور چاہنے لگیں؟ اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ اکتاہٹ کا یہ جذبہ دو ہی صورتوں میں پیدا ہوتا ہے: ایک یہ کہ چیزیں اتنی گنی چنی ہوں کہ بار بار کے استعمال سے آدمی کا جی بھر جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ ایک جیسی ہی رہیں اور آخر کار دل سے اتر جائیں۔

پروردگار عالم نے انسان کی اس کمزوری کا یا اسے خوبی کہہ لیجیے، جنت میں بھی لحاظ رکھا ہے اور اس پہلی صورت کا جواب دو طرح سے دیا ہے: ایک یہ کہ اس نے واضح کر دیا ہے کہ جو چیزیں تم کو گن کر بتا دی گئی ہیں وہ وہاں کی نعمتوں کا ایک مختصر اور اجمالی سا تعارف ہے۔ وگرنہ تمھارے لیے وہ کچھ تیار رکھا گیا ہے کہ جس کا تمھیں سان گمان بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ جنت آرزوؤں کی تکمیل کا مقام ہے، اس لیے ان چیزوں کے علاوہ جو تمھارے دل میں آرزو پیدا ہوگی، فوراً پوری کی جائے گی:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ. (السجدہ ۳۲:۱۷)

''سوکسی کو پتا نہیں کہ اُن کے اعمال کے صلے میں اُن کے لیے آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔''

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ، لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ، ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِیۡرُ. (الشوریٰ ۴۲:۲۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے ہوں گے، وہ بہشت کے باغیچوں میں ہوں گے۔ اُن کے لیے، جو کچھ چاہیں گے، اُن کے پروردگار کے پاس موجود ہوگا۔ سب سے بڑا فضل درحقیقت یہی ہے۔''

قرآن نے جی اُکتا جانے کی دوسری صورت کا جواب بھی دو طرح سے دیا ہے: پہلے یہ بتایا ہے کہ وہاں کی نعمتیں ایک حالت پر نہیں ہوں گی، بلکہ ان میں ہر دم ارتقا ہوتا رہے گا۔ جنتی کھانے کے لیے جب دوسری مرتبہ ہاتھ بڑھائیں گے تو خیال کریں گے کہ یہ سب تو ہم پہلے سے کھائے ہوئے ہیں، مگر کھانے کے بعد معلوم ہوگا کہ اس ظاہری مشابہت کے باوجود، یہ سب لذت اور ذائقے میں بالکل نیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اہل جنت کی ہر خواہش پوری کردینے کے بعد ان پر مزید ایک فضل کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اور اس کی تفصیل کرنا تو دور کی بات، اس کے بارے میں اشارے کنایے میں بھی کچھ نہیں بتایا۔ ارشاد ہوا تو صرف یہ کہ تمھیں دینے کے لیے ہمارے پاس مزید بھی بہت کچھ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس ارشاد میں پایا جانے والا ابہام ہی اصل شے ہے۔ دینے والا دینے کا وعدہ کرتا ہو اور یہ نہ بتاتا ہو کہ وہ کیا کچھ دے گا تو سننے والوں کے لیے یہی بات کفایت کرتی ہے کہ دینے والا عالم کا پروردگار ہے، اس لیے وہ جو کچھ بھی دے گا، وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ انھیں راضی کر دے گا:

كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا. (البقرہ ۲:۲۵)

''اُن کا کوئی پھل جب اُنھیں کھانے کے لیے دیا جائے گا تو کہیں گے: یہ وہی ہے جو اس سے پہلے ہمیں دیا گیا، دراں حالیکہ اُن کو یہ اُس سے ملتا جلتا دیا جائے گا۔''

لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ فِیۡهَا وَلَدَیۡنَا مَزِیۡدٌ. (قٓ ۵۰:۳۵)

''اُنھیں وہاں جو چاہیں گے، ملے گا اور ہمارے پاس مزید بھی بہت کچھ ہے۔''

اے پروردگار، تیرے فضل کے بھروسے پر ہم بھی اس جنت کی طلب رکھتے ہیں!!

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عدنان اعجاز

# حروف مقطعات اور نظریۂ فراہی کے اطلاقات

(۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ال م ص

| عربی حرف | قدیم عبرانی حرف | شکل اور مصداق کا بیان | معانی |
|---|---|---|---|
| ص | צ صاد، صادِق | ϡ مچھلی پکڑنے کا کانٹا[17]<br>✢ کھلا ہوا پھول[18] | آلۂ شکار، شکار کرنا، نیک آدمی۔<br>پھول یا پھولوں کی ایک قطار |

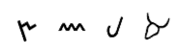

مطلب: ال م کا مطلب پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یعنی قرآن۔ ص، واقعۂ اصحاب سبت کی علامت کی حیثیت سے آیا ہے۔

بیان: ال م[19] یہاں بھی اسی معنی میں ہے جو پہلے بیان ہوا ہے۔ بعد والی آیت میں ''کتاب'' سے اسی طرف اشارہ

---

۱۷؎ ص کی تصویری علامت مستند مصادر میں صرف بیان ہوئی ہے۔ اس کی قدیم علامت (pictograph) ان میں دستیاب نہیں۔ اسی لیے میں نے قدیم فونیشیائی رسم الخط یہاں نقل کر دیا ہے۔ اگرچہ غیر مستند مصادر اس کی تصویری علامت کچھ یوں ∽ بتاتے ہیں۔

۱۸؎ انسائیکلوپیڈیا یہودیا: دوسرا ایڈیشن، جلد ۱۷، صفحہ ۶۵۵، دیکھیے صاد (Sade)۔

۱۹؎ یہاں اگرچہ یہ امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ ''م'' سے یہاں مراد وہ بستی ہو جو پانی کے کنارے واقع تھی۔ اس اعتبار سے م اور ص دونوں اصحابِ سبت ہی کی علامت ہو جائیں گے۔ تاہم یہ تاویل کمزور ہے، اس لیے میں نے اسے اختیار نہیں کیا۔

ہے۔

ص: ''ص'' ان حروف میں سے ہے جن کی شکل تو معلوم ہے، مگر یہ شکل کس چیز کی ہے، اس کے تعین میں اختلاف ہے۔ اور پھر ظاہر ہے، شکل کا اختلاف تصوراتی مفہوم کے تنوع پر منتج ہوتا ہے۔ تاہم جو تعین سب سے مشہور اور قرین قیاس ہے، وہ یہ ہے کہ یہ مچھلی کے شکار کے لیے استعمال ہونے والے کانٹے کا خاکہ ہے۔ ''ص'' کو عبرانی اور عربی دونوں میں ''صاد'' پڑھتے ہیں جس کے معنی شکار کرنے کے ہیں، چنانچہ یہی معنی صائب معلوم پڑتے ہیں۔ پھر مفہوم کے اعتبار سے یہ شکار، شکار کرنے، شکار ہونے وغیرہ کے مفاہیم رکھتا ہے۔ یہاں پر اس معنی کا مصداق بھی بڑا واضح ہے۔ اس سورہ میں پانی کے قریب واقع ایک بستی والوں کا ذکر ہے جنھوں نے سبت کے قانون کی خلاف ورزی کی تھی۔ یعنی مچھلی کا شکار سبت کے دن کرنا شروع کر دیا تھا، جبکہ یہ ممنوع تھا۔ اس کی پاداش میں ان پر خدا کے عذاب کا بیان ہے[20]۔ اگرچہ اِن اصحاب سبت کا تذکرہ اور سورتوں میں بھی آیا ہے، مگر اس تفصیل وامتیاز کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ چنانچہ ص سے اسی کی طرف واضح اشارہ ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس حرف کا ایک اور معروف نام ''صادق'' بھی ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے یہ نیک آدمی کے معنی دیتا ہے۔ بعض حضرات اسے عبرانی میں ''صاد'' کے بجائے پڑھتے ہی ''صادق'' ہیں۔ اگرچہ اس کی وجہ زبان دانوں نے گمان کرتے ہوئے عبرانی حروف تہجی کی ترتیب میں اگلے حرف ''ق'' کے ساتھ تیزی سے ملا کے پڑھنا بتائی ہے، مگر میرے نزدیک یہ کوئی قوی استدلال نہیں۔ میری رائے میں پہلے مصداق (یعنی شکار) کی رُو سے ہی یہ نیکی اور نیک آدمی کے لیے استعمال ہوا ہوگا۔ شکار ہونا، قید ہونا، قبضے میں ہونا، گرفتار ہونا وغیرہ ایسی تعبیرات ہیں جن کا ابراہیمی مذاہب میں استعمال کسی کو اپنے لیے مخلص کر لینے کے معنی میں عام ہے۔ خود ''اسرائیل'' اور ''عبداللہ'' وغیرہ کے الفاظ بھی اسی زاویے سے فرماں برداری کے مفہوم پر دال ہیں۔ پھر جس طریقے سے یہ عبرانی اور عربی کے الفاظ میں مستعمل ہے، اس سے بھی اس تاویل کو تقویت ملتی ہے۔ صوم ہو یا صلوٰۃ، صبر ہو یا صدقہ، صالح ہو یا صادق، سب کا اس حرف سے شروع ہونا اس رائے کو معقول بنا دیتا ہے۔ اگرچہ یہاں یہ معنی مراد نہیں، تاہم اور مقامات پر یہ اس معنی میں آیا ہے، جو آگے مذکور ہیں، بلکہ اگرچہ میں نے پھول کے معنی کو نظر انداز کر دیا ہے، مگر اس سے بھی اس معنی کی تائید ممکن ہے۔

ال را اور ال م ر

| عربی حرف | قدیم عبرانی حرف | شکل اور مصداق کا بیان | معانی |
|---|---|---|---|
| ر | ۹ ریش | انسان کا سر | سر، انسان |

[20] الاعراف ۷: ۱۶۳-۱۶۶۔

اور

مطلب: اللہ کی طرف سے (اترنے والی) حکمت، یعنی قرآن۔ اسی طرح ال م ر میں ہدایت و حکمت کا مفہوم جمع ہو گیا ہے، چنانچہ مراد پھر بھی قرآن ہی ہے۔

بیان: ''ا'' اور ''ل'' کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ر: ''ر'' عبرانی میں ''human head'' یعنی ''انسانی سر'' کی علامت ہے۔ یہ عبرانی میں ''ریش'' پڑھا جاتا ہے جو عربی میں ''راس'' کے قائم مقام ہے اور اس کے معنی دونوں زبانوں میں ''سر'' ہی کے ہیں۔ اگرچہ یہی معنی مستند مصادر میں زیادہ بیان ہوئے ہیں، تاہم اس کے دو معانی ممکن نظر آتے ہیں: ایک سر، اور دوسرا انسان۔ مگر میں نے پہلے معنی کو ترجیح اس بنیاد پر دی ہے کہ علامت اور اس کا پورا نام، دونوں مل کر اسی کی تائید کر رہے ہیں، کیونکہ اگر صرف سر کی علامت سے پورا انسان مراد لینا ہوتا تو الف کی طرح اس کا پورا نام پورے مصداق کے معنی رکھتا۔ مجاز کے اعتبار سے سر چونکہ عقل و حکمت کا محل ہے، اس لیے میرے نزدیک یہ یہاں حکمت کے لیے ہی استعارہ ہے۔

ال ر: چنانچہ الف لام را سے مراد اللہ کی جانب سے نازل ہونے والی حکمت ہے۔ یہ بالکل الف لام میم کی طرح قرآن ہی کا ایک اور صفاتی نام ہے۔ وہاں پاکیزگی کے لیے ہدایت کے پہلو پر ارتکاز تھا اور یہاں عقل و حکمت پر۔ جن سورتوں کے آغاز میں یہ وارد ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر میں متصلاً بعد کتاب کے تعلق سے حکمت یا عقل کا ذکر بھی اس تاویل کا قرینہ ہے۔ پھر ال م کی طرح ان حروف میں بھی دو ہی حقائق ہیں۔ ایک پُر حکمت ہونے کا اور ایک من جانب اللہ ہونے کا۔ چنانچہ کسی سورت میں ایک رخ سے ابتدا ہوئی ہے اور کسی میں دوسرے سے۔

ال م ر: سورۃ الرعد کی اس ترکیب میں قرآن کی دونوں صفات جمع کر دی گئی ہیں، یعنی ہدایت و حکمت۔ اسی لیے اللہ کی طرف میم اور را، دونوں کی نسبت اکٹھی ہو گئی ہے۔

سورتوں سے مناسبت: یہ حروف ان سورتوں کے شروع میں آئے ہیں جن میں پہلے گزری ہوئی امتوں میں ان کے رسولوں کے انذار کی تاریخ بتائی گئی ہے اور پھر جو نتائج ان کے انکار کی صورت میں برآمد ہوئے، ان پر متنبہ کیا گیا ہے۔ یہ اصل میں مضمون حکمت ہے۔ یعنی قریش جو مخاطبین اول تھے جو قرآن کے نور و ہدایت ہونے سے دلیل نہیں پکڑ رہے تھے، انھیں ایام اللہ کے ذکر سے توجہ دلائی گئی ہے کہ عقل سے کام لو... یہ صرف کسی واعظ کا کلام نہیں، بلکہ اس کے نتیجے میں اسی طرح پوری قوم کا فیصلہ ہونا ہے جس طرح اس سے پہلے ہوتا رہا ہے۔ تم اگر پاکیزگی کو اہمیت نہیں بھی دیتے تو کم از کم میرے عذاب سے ہی عبرت پکڑ لو۔ سورتیں یہ ہیں: یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم اور حجر۔ ان میں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سے رعد میں ال م ر آیا ہے۔ یہ اس لیے کہ یہ بھی اصل میں ہے تو ال رہی کے قبیلے سے، مگر چونکہ اس کا انداز کافی کچھ ال م کی سورتوں جیسا ہو گیا ہے، یعنی اس میں رسولوں کے منکرین کے ساتھ ساتھ رسولوں کے ماننے والوں پر بھی ارتکاز ہے، اس لیے اس میں م اور ر، دونوں آ گئے ہیں۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دوہرے رنگ کی سورہ ہے۔ الم اور الر کی سورتوں کے تقابل سے ان حروف کا استعمال بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

ک ھ ی ع ص

| عربی حرف | قدیم عبرانی حرف | شکل اور مصداق کا بیان | معانی |
|---|---|---|---|
| ک | کاف، کف | ہاتھ، ہتھیلی | ہاتھ، ہتھیلی، پھیلا یا ہوا ہاتھ |
| ھ یاہ | ھے، ھا | آدمی ہاتھ اٹھائے ہوئے یا 'کھڑکی' | وہ دیکھو، آگاہ ہو جاؤ، خبردار (lo & behold) |
| ی | ید | بازو | بازو |
| ع | عین | آنکھ | آنکھ، دیکھنا |

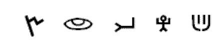

مطلب: کیا خوب دعا مانگی مانگنے والے نے اور ذکر مہارت وبصیرت کے حامل نیک بندوں کا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بیان

ک: ''ک'' ایک کھلی ہوئی ہتھیلی کی صورت ہے۔ اس کو عبرانی میں ''کاف'' یا ''کف'' پڑھتے ہیں جو ہاتھ اور ہتھیلی ہی کے معنی رکھتا ہے۔ عربی میں بھی اس سے یہی مراد ہے۔ میرے نزدیک یہ یہاں دعا مانگنے والے، یعنی زکریا علیہ السلام کی طرف اشارے کے لیے آیا ہے، کیونکہ پھیلا یا ہوا ہاتھ مانگنے کے لیے معروف استعارہ ہے۔ اس سورہ کا آغاز چونکہ اس غیر معمولی دعا سے ہوا ہے جو انھوں نے بیٹے کی پیدایش کے لیے مانگی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا، اس لیے اسی واقعے کی علامت کے طور پر کھلا ہوا ہاتھ آیا ہے۔

ھ یاہ: ''ھ یاہ'' کی شکل بعض لوگوں نے یہ بتائی ہے کہ آدمی ہاتھ اٹھائے ہوئے، جیسے کسی بڑی عمدہ، اعلیٰ یا پر ہیبت چیز کو دیکھ رہا ہو، اور بعض وہ کھڑکی بتاتے ہیں جس میں سے کوئی جھانک رہا ہو، بلکہ یہ دعویٰ بھی روایت ہوا ہے کہ اس کی شکل معلوم ہی نہیں ہے[21]۔ اس کے مصداق میں اس اشتباہ کو میں اشتباہ نہیں، بلکہ ایک ہی خیال کے دو رخ سمجھتا

[21] بہت سے نیم مستند مصادر وقدیم کتابات سے یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ یہ حرف اصل میں پورے لفظ ''ھا'' ہی کے قائم مقام

ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قدیم عبرانی اور عربی میں یہ دونوں طرح لکھا بھی جاتا ہے۔ یعنی ''ھ'' جو ہاتھ اٹھائے ہوئے شخص کی ساخت لیے ہوئے ہے، اور ''ہ'' جو کھڑکی کی طرح ہے۔ مگر سب کے نزدیک عبرانی میں یہ آگاہ ہو جاؤ اور خبردار (lo and behold) کے معنی دیتا ہے۔ یہی معنی اس کے عربی ''ھا'' میں بھی معروف ہیں اور قرآن میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک یہاں یہ اسی معنی میں ماقبل کی قدردانی کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا پر تبصرہ فرما رہے ہیں کہ کیا خوب دعا مانگی۔

ی: ''ی'' کو عبرانی میں ''ید'' پڑھتے ہیں جو دونوں زبانوں میں ''ہاتھ'' کے معنی میں آتا ہے۔ خیال رہے کہ قدیم زبانوں میں ''ہاتھ'' اصل میں ''بازو'' کے لیے بولا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی کی عکاسی اس کی شکل بھی کرتی ہے جو ایک پورے بازو کی تصویر ہے۔ یہ کام، کام کرنے اور مضبوطی کے معنی میں استعمال ہوسکتا ہے۔ یہاں یہ مہارت اور قدرت رکھنے والوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورۂ ص میں جو یہ 'اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ'[۲۲] آیا ہے، اسی معنی میں یہاں یہ علامت کی صورت میں استعمال کر دیا گیا ہے۔ اشارہ ہے اس سورہ میں پے در پے مذکور ان پیغمبروں کی طرف جو خدا کے وفادار ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کے فنون کے اعتبار سے بڑے ماہر اور بڑا اختیار رکھنے والے بھی تھے۔

ع: ''ع'' کو عبرانی اور عربی میں ''عین'' پڑھتے ہیں جس کے معنی ''آنکھ'' کے ہیں۔ چنانچہ یہی اس کی شکل بھی ہے۔ یہ آنکھ، دیکھنے، بصارت وغیرہ کے معنی میں استعمال ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں پر یہ محولہ بالا آیت سورۂ ص میں مذکور ''آنکھوں والے'' ہی کے معنی میں ہے۔ یعنی اصحاب بصیرت (visionaries) کے معنی میں۔

ص: ''ص'' کی تفصیل پہلے گزر چکی۔ یہ یہاں اپنے دوسرے معنی یعنی ''صدیقین وصالحین'' کے معنی میں ہے۔ چنانچہ ی ع ص مل کر ''وہ نیکوکار جو بڑے سبک دست اور صاحب بصیرت تھے'' کی علامت کے طور پر آئے ہیں۔

ک ھ ی ع ص: چنانچہ ک ھ مرکب میں حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دعا کے لیے آئے ہیں جو اس آیت کے

---

ہے۔ اور اس کا مطلب یہی بتاتے ہیں کہ جیسے اچانک کسی اہم یا شان دار چیز کو دیکھ کر انسان اعلان کے لیے ہاتھ اٹھا لیتا ہو۔ مثلاً دیکھیے:

http://members.bib-arch.org/publication.asp?PubID=BSBA&Volume=36&Issue=02&ArticleID=06

۲۲؎ ۳۸: ۴۵۔ یعنی ہاتھوں اور آنکھوں والے۔ مگر اعلیٰ عربی میں اس کا ترجمہ یوں کیا جائے گا کہ بہت قدرت اور بصیرت رکھنے والے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کی جو تاریخ ہمیں بتلائی ہے، وہ ان درویشانہ افسانوں سے کہیں مختلف ہے جو عام طور پر لوگ نیک لوگوں کے بارے میں گمان کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے ان نفوس قدسیہ کے بارے میں یہ باور کرایا ہے کہ میرے پیغمبر دنیاوی فنون میں بڑی مہارت رکھنے والے اور بڑے دنیا بیں لوگ تھے۔ یہ تعبیر بھی یہی بتا رہی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

متصلاً بعد شروع ہو جاتی ہے، جبکہ ی ع ص ان سب انبیا و رسل کے لیے آئے ہیں جن کا تذکرہ اس سورہ میں یکے بعد دیگرے ہوا ہے۔ ان سب انبیا کی طرف ''صاحب قدرت و بصیرت صادقین'' کے نمایندہ حروف سے اشارہ بڑا مناسب اور سورہ کے مضمون کی نہایت موزوں عکاسی ہے۔

ط ہ

| عربی حرف | قدیم عبرانی حرف | شکل اور مصداق کا بیان | معانی |
|---|---|---|---|
| ط | ט طیط | ⊗ سانپ، ٹوکری | بڑا سانپ، ٹوکری، بل کھانا |

⊗ ⚲

مطلب: دیکھو پُر ہیبت سانپ، یا کیا کہنے موسیٰ علیہ السلام کے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

## بیان

ط: ''ط'' کے معانی ''ٹوکری'' اور ''سانپ'' کے بتائے گئے ہیں۔ اسے عبرانی میں ''طیط'' پڑھتے بھی ہیں جو بڑے سانپ کے لیے آتا ہے، اسی لیے میں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ پھر عبرانی اور عربی، دونوں میں ہی یہ آج بھی ایسے لکھا جاتا ہے جیسے کوئی سانپ لٹھ مار کر سر سیدھا اٹھا کر بیٹھا ہو ( ט ، ط)۔[۲۳] یہاں اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کا عصا معجزے کے طور پہ سانپ میں تبدیل ہو جایا کرتا تھا۔

ط ہ: چنانچہ ط ہ بالکل اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی علامت کی حیثیت سے آیا ہے، جیسے پچھلی سورہ میں ک ھ زکریا علیہ السلام کی طرف اشارے کے لیے۔ مصداق اس سورہ کا مضمون ہے جو تفصیل سے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتی ہے۔

طٰس م اور طٰس

| عربی حرف | قدیم عبرانی حرف | شکل اور مصداق کا بیان | معانی |
|---|---|---|---|
| س | ש شن، شین | ● دانت<br>ש 3 تیر کمان[۲۴] | دانت، سامنے کے دو دانت، کاٹنا۔<br>دبانا، تیز کرنا۔[۲۵] |

---

۲۳؎ رسم آشوری میں یہ یوں لکھا جاتا تھا: ט ۔

۲۴؎ انسائیکلو پیڈیا یہودیا: (Encyclopedia Judaica)، دوسرا ایڈیشن، جلد ۱۸، صفحہ ۴۸۳-۴۸۴، دیکھیے ''شن'' (Shin)۔

۲۵؎ یہ معانی صرف غیر مستند مصادر میں ہی ملتے ہیں۔ مثلاً دیکھیے: https://en.wikipedia.org/wiki/Shin_(letter)۔

⊗ ⊔ ᨓ اور ⊗ ⊔

مطلب: سانپ، دانت، پانی۔ یعنی سانپ جو اپنے دو دانت نکالے پھنکار رہا ہو کی علامت، اور موسیٰ علیہ السلام کے پانی کو پھاڑنے اور قوم فرعون کے اس میں غرق ہونے کی علامت۔

بیان: ''ط'' کا بیان پہلے گزر چکا۔

س: ''س'' کو عبرانی میں ''شن یا شین'' پڑھتے ہیں جو عربی میں ''سن یا سین'' کے مترادف ہے۔ دونوں ہی زبانوں میں سنّ کے معنی ''دانت'' ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس حرف کے مصداق کو ''تیر کمان'' بھی بتایا گیا ہے، تاہم جیسا کہ آغاز میں تصریح موجود ہے، میں نے ان آرا کو ترجیح دی ہے جو حروف کے پورے نام سے بھی ثابت ہوں۔ اس لیے میرے نزدیک دانت ہی راجح مصداق ہے۔ چنانچہ ط اور س کے استعمال سے گویا اللہ نے ان سورتوں کے آغاز میں ایک بڑے سانپ کی تصویر ڈال دی ہے جو اپنے دونوں دانت نکال کے لٹھ مار کر بیٹھا ہے۔ تاہم یہ بھی اصل میں واقعۂ موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارے ہی کے لیے آئے ہیں جن کے اتمام حجت میں اس عصا / سانپ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

م: جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا میم سے مراد پانی ہے۔ البتہ یہاں میرے نزدیک اس کا استعمال ال م کے برخلاف حقیقی معنوں میں پانی ہی کے لیے ہوا ہے۔ اشارہ ہے اس واقعے کی طرف جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مار کر پانی کو چیر دیا تھا۔ پھر خود اپنی قوم کو لے کر پار ہو گئے تھے اور فرعون غرق ہو گیا تھا۔

طسم: چنانچہ یہ تینوں حروف واقعۂ موسیٰ علیہ السلام کی علامات ہیں۔ سورۂ نمل میں چونکہ واقعۂ موسیٰ علیہ السلام اختصار سے بیان ہوا ہے اور پانی کے پھٹنے اور فرعون کے اس میں غرق ہونے کا ذکر نہیں ہے، اس لیے م گرا دیا گیا ہے۔

سورتوں سے مناسبت: یہ تین سورتوں کے شروع میں آئے ہیں: شعراء، نمل اور قصص۔ ان سورتوں میں ابتدا واقعۂ موسیٰ علیہ السلام سے ہوتی ہے اور سوائے سورۂ نمل کے باقی دونوں سورتوں میں یہ واقعہ مختلف زاویوں سے تفصیل سے بیان ہوا ہے، اس لیے ابتدا میں علامات نے ہی اس کی نشان دہی کر دی ہے۔ پھر تینوں سورتوں میں متصلاً بعد ''یہ آیات'' کے الفاظ سے ان آیات کی طرف اشارہ ہے جن کو حروف مقطعات کی اِن علامات سے ذکر کر دیا گیا ہے۔

یٰس

ᓗ ⊔

مطلب: دانتوں پر مکے کی ضرب۔

بیان: ی اور س کا بیان اگر چہ پہلے گزر چکا ہے، تاہم ی کے بارے میں کچھ مزید معروضات ذیل میں مذکور ہیں۔

ی: جیسا کہ کھیعص کے ذیل میں بیان ہو چکا، ی کو عبرانی میں ''ید'' پڑھتے ہیں جس کے معنی عبرانی اور عربی، دونوں ہی میں ہاتھ کے ہیں۔ مگر یہ ہاتھ اس مفہوم میں ہے جس میں ہم آج کل بازو کہتے ہیں۔ اس کی تصدیق حرف کی تصویری علامت اور قدیم رسم الخط سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس قدیم ساخت پر غور کریں تو صاف معلوم پڑتا ہے کہ بازو کی جس تصویر پر یہ حرف بنا ہے اور پھر مختلف رسم الخط میں کچھ تبدیل ہوتا رہا ہے، ان کے استقصا سے پتا چلتا ہے کہ بازو کے آخر میں ہاتھ کی ساخت ایک مکے (fist) جیسی ہے۔ پھر ہاتھ ہی کی صورت پر دو حروف تہجی کی سمجھ نہیں آتی سوائے اس کے کہ یہ دونوں حروف دو مختلف خیالات کی نشان دہی کے لیے بنے تھے۔ ک میں جو ہاتھ ہے، وہ کھلا ہوا ہے اور ایسے ہے، جیسے پھیلایا ہوا ہو۔ اس لیے اس سے مانگنا یا کمزوری کا پہلو بالکل نمایاں ہے، جبکہ ی میں یہی ہاتھ بند ہے جو مضبوطی اور قوت کی علامت ہے۔

ی س: مندرجہ بالا استنباط اگر درست ہے تو ''س'' کی مناسبت سے اس کو یہاں مُکّے کے معنی میں لینا بالکل مبرہن ہے۔ یعنی ی س عام محاورے میں ''مکے سے دانت توڑنے'' کی تمثیل کے لیے آئے ہیں۔ ان سے مقصد مکذبین کو اللہ کے عذاب کی پیشین گوئی اور اس سے ڈرانا ہے۔

سورہ سے مناسبت: اس سورہ سے ان حروف کی مناسبت بیان کرنا کچھ ویسا ہی مشکل ہے، جیسا سورۃ النصر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا استنباط، یعنی فہم لطیف مطلوب ہے۔ سورہ دراصل ایک اعلان ہے اس سرکاری مخاصمت کا جس کا انتخاب خود مشرکین قریش نے اپنی تکذیب سے کر دیا تھا، بلکہ وہ اب اقدام کے لیے پر تول رہے تھے جس کو بھانپتے ہوئے اسی سورہ میں اس طرح کے اقدامات کے نتائج سے گویا پہلے ہی آگاہ بھی کر دیا گیا ہے، اگرچہ کنایوں میں ہی۔ بہرحال سورہ کا عمود یہی بتلاتا ہے کہ جیسے خدا اب 'دوسری' طرف جانے کا اعلان کر رہے ہیں، یعنی اس کش مکش کی طرف جو عذاب کے لیے ہمیشہ سے خدا کی سنت رہی ہے۔

ص

۳

مطلب: میرے صالح بندے۔

بیان

سورۂ مریم کی طرح اس سورہ میں بھی اس کا استعمال ''صادقین وصالحین'' کی علامت کے لیے ہی ہوا ہے۔ اس

کی تفصیل وتخریج کے لیے اوپر ’’ال م ص‘‘ میں ص کے بیان پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

سورہ سے مناسبت: اس سورہ میں مخاطبین کے اعتراضات سے گریز کر کے تربیت پر توجہ مبذول کی گئی ہے۔ اور اس تربیت کے لیے کچھ ’’صالحین‘‘ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس انتخاب کی وجہ ان کی زندگی کے کچھ ایسے واقعات بنے ہیں جو انسان کی فطری کمزوریوں کے عکاس ہیں۔ ان کی نشان دہی کر کے نفس کی جانب سے بھی ہر وقت پُر اندیش رہنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

ح م

| عربی حرف | قدیم عبرانی حرف | شکل اور مصداق کا بیان | معانی |
|---|---|---|---|
| ح | حیط، حاط | ⊟ دیوار<br>ⵊ جنگلا | دیوار، دیوار میں اینٹوں کی ایک قطار،<br>جنگلا، باڑ میں گھیرنا، احاطہ کرنا |

مطلب: علیحدہ علیحدہ حصوں میں اترنے والی ہدایت یا رفتہ رفتہ مکمل ہونے والی ہدایت، یعنی قرآن۔

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

بیان

ح: ’’ح‘‘ کی ماخذ صورت ایک ’’اینٹوں کی دیوار‘‘ ہے یا ’’جنگلا‘‘ ہے، اور ’’حاط‘‘ یا ’’حیط‘‘ سے دونوں زبانوں میں مراد بھی گھیراؤ اور احاطہ ہی ہے۔ چنانچہ اس سے وہ تمام معانی مراد لینا معروف و معقول ہے جو اوپر بیان ہوئے اور جو مستند مصادر میں مذکور بھی ہیں۔ غالباً اسی مفہوم میں ارتقا کر کے لوگوں نے اس سے کٹہرا اور چار دیواری بھی مراد لی ہے[26]۔ مزید برآں اپنے مصداق کے اعتبار سے یہ بالکل اس لفظ کے مساوی ہے جس کو خود اللہ نے قرآن کے اجزا کے لیے اصطلاح بنایا ہے، یعنی سورہ۔ سورہ کے بھی بعینہٖ یہی معنی ہیں۔ چنانچہ دیوار یا دیوار میں اینٹوں کی ایک قطار یا باڑ کے الفاظ کا انتخاب اسی مجازی معنی پر دلالت کرتا نظر آتا ہے کہ جس طرح متعدد اینٹوں سے رفتہ رفتہ ایک دیوار مکمل ہوتی ہے یا متعدد دیواروں اور جنگلوں سے ایک عمارت یا احاطہ مکمل ہوتا ہے، اسی طرح یکے بعد دیگرے اترنے والی سورتوں سے رفتہ رفتہ خدا کی ہدایت، یعنی قرآن مکمل ہوتا ہے۔ علیحدہ علیحدہ حصے جو ایک کے بعد ایک کسی کل کو مکمل کرتے ہوں کی تعبیر کے لیے دیوار یا جنگلے کا بطور علامت استعمال نہ صرف یہ کہ سمجھ میں آتا ہے، بلکہ نہایت موزوں ہے۔

ح م: علیحدہ علیحدہ اور رفتہ رفتہ اترنے والے پانی سے قرآن کی صفت تنزیل کی تشبیہ دی گئی ہے، یعنی قرآن کے

[26] دیکھیے: https://en.wikipedia.org/wiki/Heth۔

نزول کے اس طریقۂ کار کو کسی عمارت کی تعمیر کے طریقۂ کار سے تعبیر کر دیا ہے تا کہ لوگوں کے معلوم علم سے ان کو مثال دے دی جائے۔ یہی وجہ ہے جن سورتوں میں یہ وارد ہوئے ہیں ان میں متصلاً بعد قرآن کے نزولی اہتمام ہی کے تذکرے سے آغاز ہوا ہے۔ چنانچہ ال م اور ال ر کی طرح ح م بھی قرآن کا ایک اور صفاتی نام ہوا۔

سورتوں سے مناسبت: یہ حروف ان سورتوں کے شروع میں آئے ہیں جن میں قرآن کے نزول اور وحی کے انداز کی وضاحت کو مرکزیت حاصل ہے۔ وہ یہ ہیں: غافر، فصلت (یاحٰم السجدہ)، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ اور احقاف۔ اس میں شوریٰ میں ع س ق اضافی ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ع س ق

| عربی حرف | قدیم عبرانی حرف | شکل اور مصداق کا بیان | معانی |
|---|---|---|---|
| ق | P قف یا قوف | Φ سر اور گردن کا پچھلا حصہ، یا کلہاڑی / سوئی کے اندر کا سوراخ | سر اور گردن کا پچھلا حصہ، سوئی کا ناکہ، کلہاڑی کی آنکھ |

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مطلب: نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔

بیان

ع: جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ع آنکھ کی علامت ہے۔ چنانچہ یہاں آنکھ سے بینائی مراد ہے، یعنی نظر، دیکھنا وغیرہ۔

س: یہ بھی پہلے بیان ہو چکا کہ ''سن'' سے عبرانی اور عربی، دونوں میں دانت ہی مراد ہے۔ البتہ یہ مجازی اعتبار سے کن معانی پر دلالت کرتا ہے، یہ مستند مصادر میں کہیں مذکور نہیں۔ ورود کے اِس مقام پہ چونکہ س کا حقیقی مصداق، یعنی دانت کی ظاہری صورت نہ تو سورہ کے مضمون سے کوئی مناسبت رکھتی محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی اپنے ماقبل و مابعد استعمال ہونے والے حرف سے کوئی مطابقت رکھتی نظر آتی ہے۔ اس لیے مجھے اس کے مجازی معنی پر قیاس آرائی کرنے کے لیے غیر مستند ذرائع کو بھی مطالعہ میں لانا پڑا۔ چنانچہ تحقیق سے اس کے تین مطالب کچھ قرین قیاس معلوم پڑتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے کھا جانا مراد ہے۔ دوسرا یہ کہ اس سے بولنا یا گویائی مراد ہے۔ یہ دونوں بظاہر معقول استنباط ہیں، مگر اس کے قبول میں مجھے یہ تردد ہے کہ عبرانی حرف ''ف'' (فے، فا) منہ کی علامت بھی رکھتا ہے اور

عبرانی و عربی میں اس سے مراد بھی منہ ہی کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک یہ دونوں مطالب ''ف'' کے ساتھ زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی ہی مناسبت رکھتے ہیں جتنی دانتوں کے ساتھ۔ تاہم ''س'' کو بعض غیر مستند مصادر کاٹنے اور روکنے کے معنی میں بھی لیتے ہیں۔ یعنی جس طرح سامنے کے دو دانت کاٹنے اور منقطع کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں یا پھر منہ کے دروازے پر سے چیزوں کے لیے ایک آڑ بن جاتے ہیں، اسی پر قیاس کرتے ہوئے س روکنے اور منقطع کرنے کے معنی رکھتا ہے۔ چنانچہ میں نے اسی کو یہاں اختیار کیا ہے، اگرچہ مجھے اس پر پوری طرح تسلی نہیں ہو سکی۔

ق: ''ق'' کے مصداق کے بارے میں بھی مصادر میں کچھ اشکال ہے۔ بعض اسے سر اور گردن کے پچھلے حصے سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اسے اس سوراخ کی علامت بتلاتے ہیں جو سوئی یا کلہاڑی کے دستے میں ہوتا ہے۔ اسے عبرانی میں ''قُف یا قوُف'' پڑھتے ہیں۔ اگر اسے قوف سے مانا جائے تو سوئی کا ناکہ یا کلہاڑی کا سوراخ زیادہ موزوں لگتے ہیں، کیونکہ قُوف کا معنی یہی ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے اسے قوف سے مانا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے مراد دائرے میں حرکت بھی ہو سکتی ہے۔ پھر اگر اسے قف سے مانا جائے تو سر اور گردن کا پچھلا حصہ زیادہ موزوں معنی ہے۔ فوءرسٹ[27] نے اس کی تخریج عربی کے ''قف'' سے کی ہے جس کے معنی گردن کے پچھلے حصے کے ہی ہیں اور اسی رائے کو صائب کہا ہے۔ میں نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ اس لیے بھی، کیونکہ اگر عبرانی حرف کی قدیم اور موجودہ ساخت پر غور کریں تو یہی رائے قوی معلوم پڑتی ہے۔

تو جب اس کے معنی سر اور گردن کا پچھلا حصہ ہوا تو مجازاً یہ قربت کی بھی تعبیر ہوئی اور کسی ایسے شخص کی بھی جو نہایت قریب اور نگران ہو۔ چنانچہ یہاں میں نے ماقبل کی مناسبت سے اس کو قریب ہونے کے معنی میں لیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل سورۂ ق میں آتی ہے۔

ع س ق: برمحل ع سے مراد نظر ہوئی، ق سے مراد قریب ہونا، اور س سے مراد رکنا۔ الغرض، اس مرکب سے مراد یہ ہوئی کہ نظر قریب نہیں پہنچ سکتی۔ اگر اس کے یہی مطلب ہیں تو پھر اگلی ہی آیت[28] بالکل مناسب حال واقع ہوئی ہے۔ یعنی ''اسی طرح (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی طرف اور آپ سے پہلوں کی طرف اللہ زبردست اور حکمت والے نے وحی کی'' میں اسی طرح سے واضح اشارہ ماقبل مرکب کی طرف ہے اور مراد یہی ہے کہ کوئی بھی اللہ کو

---

۲۷ دیکھیے آغاز میں بیان کیے گئے مصادر میں ''Edward Fuerst'' کی فرہنگ۔

۲۸ الشوریٰ ۴۲: ۳۔

دیکھ نہیں سکتا۔ اس لیے جس کو بھی جب بھی وحی ہوئی ہے، خدا کو دیکھے بغیر ہی ہوئی ہے۔ ایک اور مقام پر یہ جو 'لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ'[29] آیا ہے، یہ حروف علامت کی شکل میں یہی بات کہہ رہے ہیں۔

سورہ سے مناسبت: اس سورہ میں چونکہ آیت ۵۱-۵۲ میں یہ کہہ کر کہ کسی انسان سے اللہ رُو برُو کلام نہیں کرتا، وحی کی تین صورتیں بیان کر دی گئی ہیں، اس لیے اس مضمون کی مناسبت سے ح م کے بعد ایک علیحدہ آیت میں ع س ق کہہ کر اسی امر کی طرف اجمالاً اشارہ بھی کر دیا ہے۔ دیکھا جائے تو آیت ۳ کا 'کَذٰلِكَ' اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور بعد میں جب اس 'کَذٰلِكَ' کی تفصیل کی گئی ہے تو وہاں[30] یہی 'کَذٰلِكَ' پھر سے دوہرا بھی دیا ہے تاکہ ہر قاری اس اشارے کو سمجھ بھی سکے۔

ق

ϕ

مطلب: نگران۔ یعنی وہ فرشتے جو انسان کے دائیں اور بائیں بیٹھے اس کا ریکارڈ رکھ رہے ہیں۔

بیان: ق کا بیان اگرچہ اوپر گزر چکا ہے، مگر کچھ مزید معروضات درج ذیل ہیں۔

ق: جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا، ق کا مصداق سر اور گردن کا پچھلا حصہ ہے۔ چنانچہ مجاز میں یہ بہت قریب ہونے یا ہونے والے کے لیے استعارہ ہے۔ یہاں، یعنی سورۂ ق میں یہ اُن فرشتوں کے لیے آیا ہے جن کا ذکر آیات ۱۷-۱۸ میں ہوا ہے۔ وہاں یہ جو الفاظ ہیں کہ 'رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ' یعنی ''حاضر باش نگران''، اِن کے لیے ہی ق میں اشارہ ہے، بلکہ رقیب بنا ہی رقب سے ہے جو عربی میں گردن ہی کا مصدر ہے۔ اور سورۂ انفطار میں بھی انھیں نگران ہی کہا گیا ہے[31]۔ اس لیے یہ بالکل واضح ہے۔

ن

| عربی حرف | قدیم عبرانی حرف | شکل اور مصداق کا بیان | معانی |
|---|---|---|---|
| ن | נ نون | ϟ مچھلی، سانپ | مچھلی، سانپ |

ϟ

مطلب: مچھلی، یعنی مچھلی والے پیغمبر یونس علیہ السلام۔

---

[29] الانعام ۶: ۱۰۳۔

[30] آیت ۵۲۔

[31] ۸۲: ۱۰۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

بیان

ن: ''ن'' کو عبرانی اور عربی میں ''نون'' پڑھتے ہیں اور اس کا مطلب مچھلی ہی ہوتا ہے۔ یہاں مچھلی کی علامت سے دراصل مراد وہ پیغمبر ہیں جنھیں مچھلی نے نگل لیا تھا۔ یعنی یونس علیہ السلام جن کا تذکرہ آیات ۴۸-۵۰ میں ہوا ہے۔ انھیں دوسرے مقام پر خود قرآن نے ذوالنون کہہ کر اس میں کوئی شک نہیں رہنے دیا کہ ن سے مراد مچھلی ہی ہے۔

## تحقیق کے قرین صواب ہونے کے دلائل

اس تحقیق کے صائب ہونے کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل دیے جا سکتے ہیں:

۱۔ حروف مقطعات کے ہر حرف کا علیحدہ علیحدہ قراءت کیا جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان میں سے ہر حرف اپنا علیحدہ مفہوم رکھتا ہے۔ بصورت دیگر، ان کے اس طرح تلاوت ہونے کی اور کوئی معقول وجہ تلاش کرنا مشکل ہے۔ یہ تحقیق اس اعتبار سے مناسبت رکھتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۔ یہ حروف اس کلام کا حصہ بنے جس کے مخاطبین عربی بولنے والے تھے۔ اللہ نے اس کلام کے بھی عربی میں ہونے کی یہی وجہ بتائی۔ چنانچہ یہ بالکل معقول توقع ہوگی کہ ان حروف کا تعلق بھی عربی سے ہو۔ موجودہ تحقیق چونکہ حروف کے مصداق ان چیزوں کو بتلاتی ہے جو عربی اور عبرانی کی مشترک اساسی زبان میں علامات کی حیثیت رکھتے تھے، اس سبب بھی یہ تحقیق عین موزوں ہے۔

۳۔ قرآن کا یہ اسلوب کہ وہ معلوم و معروف علوم کو ہی اپنے فہم کے لیے بنیاد بناتا ہے، بالکل واضح ہے۔ چنانچہ ان حروف کے بارے میں بھی یہ توقع کرنا کہ یہ کسی معلوم علم پر ہی اپنی اساس استوار کرتے ہوں گے، ایک بالکل معقول توقع ہے۔ یہ تحقیق چونکہ ایسے ہی ایک مسلم علم کو بنیاد بناتی ہے جو عبرانی حروف کے ماخذ کی حیثیت سے آج بھی معلوم و معروف ہے، اس وجہ سے اس تحقیق کو بڑی تقویت مل جاتی ہے۔

۴۔ پھر اس تحقیق کی رُو سے حروف مقطعات میں مستعمل حروف کے معانی بھی اُن کے معروف مصداق تک ہی محدود ہیں، بلکہ ایک آدھ مقام کے علاوہ مستند مصادر میں مذکور مصداق سے دائیں بائیں پھرنے کی حاجت پیش ہی نہیں آئی۔ قرآن چونکہ الفاظ کو اپنے معروف معانی میں ہی استعمال کرتا ہے، اس اعتبار سے بھی یہ تحقیق قرآن کے عمومی اسلوب کے عین مطابق ہے۔

۵۔ عربی حروف تہجی کے وہ حروف جو جوڑا جوڑا واقع ہوئے ہیں: جیسے س ش، ص ض، ط ظ، ع غ، ح خ وغیرہ؛ حروف مقطعات میں ان میں سے صرف ایک، یعنی بغیر نقطوں والے زوج کا استعمال ہونا بھی اس تحقیق کو بہت وقیع کر دیتا ہے، کیونکہ عربی وعبرانی کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ ایسے حروف کے جوڑے اپنی اصلی شکل میں بغیر نقطوں ہی کے تھے جو اپنے معنی ومصداق کی وحدانیت پر ہی دلالت کرتے ہیں اور زبان دانوں کا دعویٰ بھی یہی ہے۔

۶۔ پھر اس تحقیق کے مستنبط مصداق ومعانی کی تائید اکثر تو حروف مقطعات کے ورود کے متصلاً بعد والی آیات سے ہو جاتی ہے یا پھر ایسے قرینے سے ہو جاتی ہے جو اسی سورہ یا قرآن کے ہی کسی اور مقام میں امتیازی حیثیت سے بیان ہو گیا ہوتا ہے۔

۷۔ پھر حروف مقطعات کے بہت سے مرکب ایک سے زیادہ سورتوں میں جوں کے توں استعمال ہوئے ہیں۔ اور پھر ایسی سورتیں ترتیب مصحف میں رکھی بھی متصل گئی ہیں۔ اور عموماً ان سورتوں کی حروف مقطعات سے متصل بعد والی آیات بھی ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔ ان خصائص سے یہ توقع بھی بڑی معقول لگتی ہے کہ ان سب سورتوں میں ایک ہی مرکب کے ایک ہی معنی ہونے چاہییں۔ یہ تحقیق اس مانگ کو بھی پورا کرتی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

## مجموعی نتائج تحقیق

آغاز میں بیان کردہ اصولوں کے فرداً فرداً اطلاقات دیکھنے کے بعد یہاں میں ان مجموعی نتائج کو تحریر کرتا ہوں جو انفرادی اطلاقات کے انضمام وتجزیہ کے نتیجے میں حروف مقطعات کے استعمالات وحکمت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۔ حروف مقطعات کے ورود کے وہ مقامات جہاں اِن کے وقوع کے متصلاً بعد والی آیت ''وَ'' سے شروع نہیں ہوتی، وہاں یہ آیت اِن حروف کے فہم کے لیے ایک قرینہ ہے۔ اِن میں سے وہ مقامات خاص اہمیت کے حامل اور تحقیق میں مؤید ہیں جہاں ''ذَالِكَ'' یا ''تِلْكَ'' سے باقاعدہ اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ نے اور وجوہات کے ساتھ ساتھ اس لیے بھی کیا ہے تاکہ ان حروف کے مفاہیم پر غور کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ وہ مقامات جہاں ''وَ'' نے اگلی آیت کا آغاز کیا ہے، وہاں دیکھا جا سکتا ہے کہ حرف مقطعہ کا مصداق مضمون سورہ میں کہیں آگے جا کر ہی ملتا ہے۔

۲۔ حروف مقطعات جس سورہ میں بھی استعمال ہوئے ہیں، مضمون کی مناسبت سے استعمال ہوئے ہیں۔ اگر سورتیں بڑی تھیں اور مضامین بہت تو پھر یہ حروف صنف کی مناسبت سے استعمال ہوئے ہیں۔ ایسا اُن حروف میں ہوا

ہے جو ایک سے زیادہ سورتوں میں آئے ہیں۔ جیسے ال م، ال ر، ح م۔ یعنی اِن گروہِ سُوَر کو جس مشترک مضمون نے باندھ رکھا ہے، اسی کی مناسبت سے حروف مقطعات لائے گئے ہیں۔ جیسے پاکی اور ہدایت ایک صنف ہے، حکمت ایک صنف، اور قرآن کے نزول کے لیے اختیار کیا گیا طریقۂ کار ایک صنف۔

۳۔ حروف مقطعات ہمیشہ سورتوں کے شروع میں ہی آئے ہیں، اس لیے انھیں سورتوں کا نام شمار کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کی سورتیں چونکہ زیادہ تر خطاب کی صنف سے مماثلت رکھتی ہیں، اس لیے ان کے لیے نام کوئی ضروری تو تھے نہیں، اسی لیے جو نام ہمیں عموماً ملتے ہیں، وہ بس شناخت کنندہ (identifier) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم، کہیں کہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا نام خود بھی رکھ دیا ہے۔

۴۔ جو حروف ایک سورہ کے شروع میں آئے ہیں، اُن کو سورہ کا نام کہا جا سکتا ہے۔ جو حروف ایک سے زیادہ سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں، انھیں گروہی نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ سوائے ایک مقام کے باقی سب جگہ حروف مقطعات ایک ہی آیت میں اکٹھے وارد ہوئے ہیں۔ صرف حم عسق[۳۲] میں یہ دو آیات پر مشتمل ہیں۔ وہاں یہ اس لیے ہوا ہے، کیونکہ عسق دراصل حم پر استدراک ہے، یعنی باقی مقامات کے برخلاف اس مقام پر اِن دونوں مرکبات کا مضمون ایک ہی درجے پہ نہیں، بلکہ عسق اصل میں حم کے ایک ذیلی مضمون کی تفصیل کر رہا ہے۔

۶۔ اشکال سے مضامین کی نمایندگی کرنا اگرچہ ایک بڑا حسین اور کارآمد طریقہ معلوم پڑتا ہے، مگر اللہ نے ایسا کیوں کیا، کیا اُس دور کے عرب اس استعمال سے واقف تھے، جن سورتوں میں یہ حروف نہیں آئے وہاں کیوں نہیں آئے، اِن سوالات سے یہ تحقیق تعرض نہیں کرتی۔ تاہم ان کے جواب کے لیے تحقیق ہونی چاہیے۔

## اختتامیہ

یہ تحقیق اس ضمن کی ایک ابتدائی کاوش ہے۔ میرے نزدیک نظریۂ فراہی اصول اور اطلاق، دونوں میں صائب ثابت ہوا ہے۔ اگرچہ اطلاقات میں سے کچھ میں بہتری کی گنجایش ابھی باقی ہے۔

میری تحقیق میں اگر کوئی غلطی ہے تو وہ یقیناً میری محنت یا سمجھ کے فقدان یا کوتاہی کی عکاس ہے۔ جو لوگ اس تحقیق کو کوتاہیوں سے پاک کرنے میں میرے مددگار بنیں، ان کا میں پیشگی مشکور ہوں۔

---

۳۲؎ الشوریٰ ۴۲۔



www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

## سیر و سوانح

محمد وسیم اختر مفتی

# حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ رضی اللہ عنہا

(۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضرت ابوسلمہ سے شادی کرنے کے بعد حضرت ام سلمہ کے ہاں دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کی ولادت ہوئی۔ بڑے بیٹے سلمہ حبشہ میں، چھوٹے بیٹے عمر اور دونوں بیٹیاں درہ (رقیہ: ابن ہشام) اور زینب مدینہ ہجرت کرنے کے بعد پیدا ہوئیں۔ ایک روایت کے مطابق عمر کا جنم بھی حبشہ میں ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کے وقت زینب حضرت ام سلمہ کی گود میں دودھ پیتی تھیں اور آپ انھیں دودھ پلاتے دیکھ کر لوٹ جاتے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ام سلمہ کے ماں جایے حضرت عمار بن یاسر نے زینب کی دودھ پلائی کا انتظام کیا (مسند احمد، رقم ۲۶۶۶۹)۔ اس روایت کے برعکس جو خود حضرت ام سلمہ سے مروی ہے، ابن ہشام کا کہنا ہے کہ زینب حبشہ میں متولد ہوئیں، ابن سعد نے صراحت کی ہے کہ زینب حبشہ میں پیدا ہوئیں، جبکہ سلمہ، عمر اور درہ کی پیدایش بعد میں ہوئی۔ ان دونوں اصحاب سیر نے مسند احمد کی مذکورہ روایت کے ہم معنی، اپنی راے سے متضاد روایات بھی نقل کی ہیں۔

حضرت ابوسلمہ نے اپنے آخری وقت یہ دعا مانگی: اے اللہ! میرے اہل خانہ میں مجھ سے بہتر قائم مقام لے آ۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ حضرت ام سلمہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کے مطابق یہ دعا کی: 'إنا للّٰہ و إنا إلیه راجعون' (ہم اللہ کے ہیں اور اسی کے پاس لوٹنے والے ہیں)۔ میں اللہ ہی سے اپنا صدمہ برداشت کرنے کا اجر چاہتی ہوں۔ مجھے اس کا ثواب (بدل) عطا کر۔ خود کہتی ہیں: پھر میرے دل میں آیا، میرے لیے ابوسلمہ سے بہتر کون ہوگا؟ ہر گز نہیں، کوئی نہیں ہو سکتا (ابوداؤد، رقم ۳۱۱۹۔ ترمذی، رقم ۳۵۱۱۔ مسند احمد، رقم ۲۶۶۶۹)۔

جب ان کی عدت ختم ہوئی تو حضرت ابوبکر نے پیغام عقد بھیجا، انھوں نے انکار کر دیا، حضرت عمر نے شادی کی درخواست کی تو وہ نہ مانیں۔ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابوبلتعہ (یا حضرت عمر بن خطاب) کے ہاتھ نکاح کا پیغام بھیجا تو ان کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ انھوں نے کہا: مرحبا یا رسول اللہ، مسند احمد کی روایت کے مطابق، جو خود حضرت ام سلمہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ حضرت ام سلمہ اس وقت کھال صاف کر رہی تھیں، انھوں نے ہاتھ دھو کر قرظ کے پتے صاف کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر بلا کر چمڑے کے گدے پر تشریف رکھنے کو کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی تجویز دی تو انھوں نے تین عذر پیش کیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر الازواج ہیں اور میں سوتنوں کو برداشت نہیں کر سکتی، میں عمر رسیدہ اور بال بچوں والی ہوں اور اس وقت میرے پاس میرا کوئی ولی موجود نہیں۔ آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، وہ تمھاری رقابت یا غیرت کو ختم کر دے گا۔ میں عمر میں تم سے بھی بڑا ہوں، تمھارے بچے میرے بچے ہوں گے، وہ اللہ و رسول کی کفالت میں ہوں گے۔ تمھارے اولیا میں سے جو موجود ہیں اور جو اس وقت موجود نہیں، سب مجھ سے عقد پر راضی ہوں گے۔ تب حضرت ام سلمہ نے ہاں کر دی اور اپنے بیٹے سلمہ کو والئ نکاح بنا دیا (مسلم، رقم ۲۰۸۲۔ نسائی، رقم ۳۲۵۶۔ مسند احمد، رقم ۱۶۳۴۴)۔ عمر بن ابوسلمہ اس وقت نابالغ تھے۔

حضرت ام سلمہ کا آپ سے نکاح شوال ۴ھ کے آخری دنوں میں ہوا، اسی لیے وہ کہا کرتی تھیں: شوال کے مہینے میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ سے فرمایا: میں تمھاری فلاں بہن (یعنی ایک ام المومنین جن کا نام بیان نہیں ہوا) کو دیے گئے مہر سے کم نہ دوں گا۔ چنانچہ ان کو دو چکیاں، دو گھڑے اور ایک کھجور کی چھال بھرا چمڑے کا تکیہ (دوسری روایت: کھجور کی چھال بھرا چمڑے کا ایک گدا، ایک پیالہ، ایک رکابی (یا پرات) اور ہاتھ سے چلانے والی ایک چھوٹی چکی) مہر کے طور پر دیے (موسوعہ مسند احمد، رقم ۲۶۶۶۹)۔ نکاح کے بعد آپ نے حضرت ام سلمہ کو ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ کے حجرے میں ٹھہرایا جو آپ کے عقد میں آٹھ ماہ رہنے کے بعد وفات پا گئی تھیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے شاہ نجاشی کو مشک اور ایک خلعت تحفے کے طور پر بھیجی تھی۔ نجاشی کا انتقال ہو چکا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ وہ تحائف واپس آ جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں تمھارے حوالے کر دوں گا۔ حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ یہی ہوا۔ تحائف ملے تو آپ نے ہر زوجہ کو ایک ایک اوقیہ (اونس) مشک دی اور بقیہ مشک اور شاہی جوڑا مجھے عطا کر دیا (موسوعہ مسند احمد، رقم ۲۷۲۷۶)۔

چھوٹی بچی زینب بنت ابوسلمہ کی دودھ پلائی کے لیے اس کے ماموں عمار نے قبا میں دائی مقرر کر دی تو آں حضرت



www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے ہاں تشریف لائے۔ حضرت ام سلمہ نے چکی کے نیچے غلہ جمع کرنے والا کپڑا بچھایا، زینب بنت خزیمہ کے چھوڑے ہوئے گھڑے میں سے جو کے دانے نکال کر پیسے، جو میں گھی ملا کر پتھر کی ہنڈیا میں آپ کے لیے دلیا پکایا۔ آپ آئے، دلیا نوش فرمایا اور پیار سے پوچھا: زینب کہاں ہے؟ اس وقت حضرت ام سلمہ کی بہن قریبہ بنت ابوامیہ موجود تھیں، انھوں نے بتایا کہ اسے عمار لے گئے ہیں۔ تین دن کے قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخصت ہونے لگے تو حضرت ام سلمہ نے آپ کا دامن پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں ایک ہفتہ تمھارے پاس گزاروں پھر مجھے ہر بیوی کے پاس سات دن رہنا پڑے گا یا تین تین دن کی باری رکھوں۔ حضرت ام سلمہ نے تین دن کی تجویز سے اتفاق کیا (مسلم، رقم ۳۶۱۲، ۳۶۱۳۔ موسوعہ مسند احمد، رقم ۲۶۶۱۹)۔ حضرت ابوسلمہ کے بڑے بچے عمر، سلمہ اور درہ آپ کی پرورش میں رہے۔ سلمہ کا نکاح آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ کی بیٹی سے کیا۔ حضرت زینب کی شادی حضرت عبداللہ بن زمعہ سے ہوئی۔ اگرچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ام سلمہ سے نکاح کرنے سے پہلے سیدہ فاطمۃ الزہرہ کی شادی ہو چکی تھی، تاہم ۴ھ میں جب سیدنا علی کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو حضرت ام سلمہ نے ان کی جگہ سیدہ فاطمہ کی دیکھ بھال کی۔

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے بیاہ کیا تو مجھے شدید غم لاحق ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ حضرت ام سلمہ بہت خوب صورت ہیں۔ جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ مجھے کہیں زیادہ خوب صورت لگیں۔ میں نے حضرت حفصہ سے ذکر کیا تو انھوں نے میرے خیال کی تصدیق کرنے کے بجائے کہا: ام سلمہ شکل و صورت کی اچھی ہیں، تاہم تمھیں رقابت کی وجہ سے غیر معمولی حسین نظر آتی ہیں۔ تب مجھے سمجھ آیا کہ حفصہ کی بات درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا: عائشہ کا میرے ہاں ایک مقام ہے جس پر آج تک کوئی فائز نہیں ہو سکا۔ جب آپ نے حضرت ام سلمہ سے شادی کی تو کسی نے سوال کیا، اس مقام کا کیا بنا؟ تب معلوم ہوا کہ حضرت ام سلمہ اس مقام کو پا چکی ہیں۔ حضرت ام سلمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اس ترتیب سے آپ کے عقد میں آئیں۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت عائشہ بنت ابوبکر، حضرت حفصہ بنت عمر، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان، حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت جویریہ بنت حارث، حضرت صفیہ بنت حیی، حضرت میمونہ بنت حارث۔ ابن کثیر کہتے ہیں: یہ ترتیب زہری کی بیان کردہ ترتیب سے بہتر اور اقرب الی الصواب ہے۔

۵ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کے خلاف کارروائی کی، کیونکہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رہے تھے۔ مریسیع نامی چشمے کے قریب ہونے والا یہ غزوہ غزوۂ مریسیع کہلاتا ہے۔ روانہ ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ ڈالا تو سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمہ کے نام نکلے۔

**۵ھ:** جنگ خندق کے موقع پر یہود بنو قریظہ نے مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ کر قریش مکہ کا ساتھ دیا تھا، اس لیے اختتام غزوہ پر جبریل علیہ السلام ان کی سرکوبی کا حکم لے کر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ پھر سے زیب تن کیا اور بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا جو اکیس یا پچیس دن جاری رہا۔ اس عرصے میں اللہ کی طرف سے یہودیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا اور ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے حلیفوں میں سے ابولبابہ (بشیر یا رفاعہ بن عبدالمنذر) کو بھیج دیجیے تاکہ ہم ان سے مشورہ کر لیں۔ آپ کے ارشاد پر ابولبابہ وہاں پہنچے تو بڑے، بچے اور عورتیں ان کے گرد جمع ہو گئے اور بلک بلک کر رونے لگے۔ جب انھوں نے مشورہ لیا کہ کیا ہم اپنے آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیں؟ انھوں نے کہا: ہاں اور ہاتھ سے گردن کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ان کا ارادہ تمھیں قتل کرنے کا ہے۔ یہ کہہ کر انھیں فوراً ہی احساس ہوا کہ میں نے یہ راز افشا کر کے اللہ و رسول کے ساتھ خیانت کی ہے۔ وہ چپکے سے لوٹے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر خود کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا اور عہد کیا کہ میں مرتے دم تک یہاں سے نہ ہٹوں گا جب تک اللہ میرا جرم معاف نہ کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تو فرمایا: بہتر تھا کہ وہ میرے پاس آ کر استغفار کرنے کو کہتے۔ چھ دن اسی طرح گزر رے، ابولبابہ کی اہلیہ نماز کے وقت آ کر ان کو کھولتیں اور پھر باندھ دیتیں۔ ابولبابہ کی قبولیت توبہ کا حکم نازل ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے ہاں تھے۔ انھوں نے سحری کے وقت آپ کے ہنسنے کی آواز سنی تو پوچھا: یا رسول اللہ، کس بات پر ہنس رہے ہیں، اللہ آپ کے دانتوں پر مسکراہٹ برقرار رکھے؟ جواب ارشاد فرمایا: ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ حضرت ام سلمہ نے اجازت چاہی، یا رسول اللہ، میں یہ خوش خبری انھیں سنا نہ دوں؟ فرمایا: ہاں، اگر تم چاہتی ہو۔ وہ اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر پکاریں: ابولبابہ، مبارک ہو، اللہ نے آپ کی توبہ قبول کر لی ہے۔ سحر خیز اہل ایمان انھیں کھولنے کے لیے لپکے تو منع کر دیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے کھولیں گے۔ چنانچہ آپ فجر کی نماز پڑھانے آئے تو ابولبابہ کی رسیاں کھولیں۔

**۶ھ:** سفر حدیبیہ میں حضرت ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک سفر تھیں۔ صلح حدیبیہ کے روز ان کی ذہانت اور بلند رائے ہونے کا خوب اظہار ہوا۔ معاہدۂ صلح طے ہونے کے بعد صحابہ اتنے دل گرفتہ تھے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے انھیں حکم دیا کہ اٹھ کر عمرہ کے لیے لائے ہوئے جانور قربان کر لو اور حلق کروا لو تو کوئی بھی نہ اٹھا۔ آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا: تو بھی کوئی نہ ہلا۔ آپ رنجیدہ ہو کر حضرت ام سلمہ کے پاس گئے اور کہا: ام سلمہ، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ حضرت ام سلمہ نے کہا: یا رسول اللہ، آپ نے دیکھ لیا ہے کہ وہ صدمے میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے بات کیے بغیر اپنی قربانی کر ڈالیں اور حجام کو بلا کر حلق کروا لیں۔ آپ باہر گئے اور ایسا ہی کیا۔ صحابہ نے آپ کو نحر و حلق کرتے دیکھا تو لپکے اور اپنی قربانیاں ذبح کیں اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ اگرچہ شدت غم کی وجہ سے ان کے لیے بال اتارنا مشکل ہو رہا تھا (بخاری، رقم ۲۷۳۲۔ مسند احمد، رقم ۱۸۹۱۰)۔ مسلمانوں پر صلح حدیبیہ کا 'فَتْحًا مُّبِيْنًا'[1] ہونا بعد میں واضح ہوا۔ اس صلح کے بعد امن ہو جانے کی وجہ سے لوگوں نے بلا خوف و خطر اسلام قبول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے قبل کے دو سال کے عرصے میں مسلمانوں کا شمار دوگنا سے بھی زیادہ ہو گیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد کٹے مشرک عقبہ بن ابومعیط کی بیٹی ام کلثوم نے مسلمان ہو کر مدینہ ہجرت کی۔ وہ حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خدشہ ظاہر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معاہدے کی رو سے انھیں بھی مکہ لوٹا دیں گے جس طرح ابوجندل اور ابوبصیر کو واپس فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: اللہ نے عورتوں کے ضمن میں چھوٹ دے دی ہے۔ جب حضرت ام کلثوم کے بھائی ولید اور عمارہ لینے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس نہ بھیجا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۷ھ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے روانہ ہوئے تو بھی حضرت ام سلمہ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ فرماتی ہیں: میں نے مرحب کی زرہ پر تلوار کے وار پڑنے کی آواز سنی۔ مال غنیمت تقسیم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو اسّی وسق (اسّی لدے ہوئے اونٹ) کھجوریں اور بیس وسق گندم (یا جو) عنایت کی۔ یہودیوں کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ (اصلی نام: زینب) جنگی قیدیوں میں شامل تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دحیہ کلبی کے سپرد کیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات قیدیوں کے بدلے میں خرید کر انھیں آزاد کر دیا۔ صفیہ بن حیی نے اسلام قبول کیا، اپنی عدت پوری ہونے تک وہ حضرت ام سلمہ (دوسری روایت: حضرت انس کی والدہ حضرت ام سلیم) کے پاس رہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ گئیں۔

۷ھ میں حضرت ام سلمہ کے چچا زاد ولید بن مغیرہ کی وفات ہوئی تو حضرت ام سلمہ نے ان کا مرثیہ کہا۔ رسول اللہ

---

[1] الفتح ۴۸: ۱۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے اشعار نہ کہو، بلکہ کہو: 'وَ جَآءَ تُ سَکۡرَۃُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ'[۲] ''اور موت کی غشی حق لے کر آن پہنچی''۔

**۸ھ**: غزوۂ موتہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تینوں امیر حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابوطالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ جاں فشانی سے لڑتے ہوئے اسی ترتیب سے شہید ہو گئے تو حضرت خالد بن ولید نے علم تھام لیا۔ ایک دن مزید جنگ کرنے کے بعد وہ لشکر کو بحفاظت مدینہ واپس لے آئے۔ اسلامی فوج مدینہ پہنچی تو کچھ لوگوں نے اس پر دھول اڑائی اور میدان جنگ سے فرار ہونے کا طعنہ دیا۔ فوجیوں میں سے کچھ دل برداشتہ ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے، حتیٰ کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ نے حضرت سلمہ بن ہشام کی بیوی سے پوچھا: کیا بات ہے، سلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے ساتھ نمازوں میں حاضر کیوں نہیں ہوتے؟ انھوں نے جواب دیا: ان کے لیے گھر سے نکلنا ناممکن ہو گیا ہے۔ لوگ انھیں دیکھتے ہی بھگوڑا ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا، یہ لوگ میدان جنگ سے بھاگ کر نہیں آئے۔ ان شاء اللہ بار دگر حملہ آور ہوں گے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

**۸ھ**: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ فتح کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو ام المومنین حضرت ام سلمہ اور ام المومنین حضرت میمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھیں۔ مکہ و مدینہ کے مابین، جحفہ کے قریب واقع نیق عقاب کے مقام پر آپ کا اپنے چچازاد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن ابوامیہ سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے، سامنا ہوا۔ دونوں نے آپ سے ملاقات کی خواہش کی، اس موقع پر ام المومنین حضرت ام سلمہ نے بھی سفارش کی: یا رسول اللہ، یہ آپ کے چچیرے، پھپھیرے اور سسرال والے ہیں۔ فرمایا: مجھے ان دونوں کی چنداں حاجت نہیں۔ جو میرا چچازاد ہے، اس نے میری عزت کو پامال کیا اور جو پھوپھی زاد اور سسرالی ہے، اس نے مکہ میں میرے بارے میں کیا کچھ نہیں کہا۔ ابوسفیان نے کہا: میں اپنے اس چھوٹے بچے جعفر کو لے کر صحرا میں نکل جاؤں گا چاہے بھوک پیاس سے مر جاؤں۔ تب آپ کو ترس آ گیا اور انھیں اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے لیے عام معافی کا اعلان فرمایا، تاہم گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا استثنا کر کے ان کے قتل کا حکم صادر کیا۔ حضرت ام سلمہ کے بھائی زہیر بن ابوامیہ مخزومی بھی ان میں شامل تھے، کیونکہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بہت گستاخیاں کر رکھی تھیں۔ زہیر اپنے ساتھی حارث

---

۲؎ ق ۵۰: ۱۹۔

بن ہشام کے ساتھ مل کر سیدنا علی کی ہمشیر حضرت ام ہانی بنت ابو طالب کے گھر چھپ گئے اور ان کی پناہ لے لی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی عطا کی۔

**۸ھ:** نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا جو بیس سے زیادہ دن جاری رہا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش آپ کے ہم راہ تھیں۔ دونوں کے لیے الگ الگ خیمے لگائے گئے۔ آپ نے دونوں خیموں کے درمیان نماز ادا فرمائی۔ بعد میں بنو ثقیف کے حضرت ابوامیہ بن عمرو نے اسی جگہ مسجد تعمیر کر دی۔ حضرت ام سلمہ کے بھائی حضرت عبد اللہ بن ابوامیہ جو فتح مکہ سے کچھ دن پہلے ایمان لائے تھے، اسی محاصرے کے دوران میں تیر لگنے سے شہید ہوئے۔

۸ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب کی وفات ہوئی تو حضرت ام ایمن، حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ نے ان کو غسل دیا۔

کسی سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی اور حضرت ام سلمہ تھیں۔ قیام کا وقت آیا تو آپ حضرت ام سلمہ کا ہودہ سمجھ کر حضرت صفیہ کی عماری کی طرف بڑھے اور بات چیت کرنے لگے۔ اس روز حضرت ام سلمہ کی باری تھی، وہ طیش میں آگئیں اور کہا: آپ رسول اللہ ہو کر میری باری کے دن یہودی کی بیٹی سے باتیں کر رہے ہیں؟ پھر انھیں ندامت ہوئی اور استغفار کرنے لگیں۔ آپ سے درخواست کی: یا رسول اللہ! جلاپے کی وجہ سے میں نے ایسا کہہ دیا، آپ بھی میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔

قبول اسلام کے بعد حضرت عکرمہ بن ابوجہل مدینہ آئے تو لوگ پکارنے لگے: ابوجہل کا بیٹا آیا، ابوجہل کا بیٹا آیا۔ وہ پناہ لینے کے لیے اپنی پھوپھی حضرت ام سلمہ کے پاس آئے اور بتایا کہ وہ جہاں جاتے ہیں، لوگ آوازے کستے ہیں۔ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ مردوں کو گالی دے کر زندوں کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ گزرے ہوئے کو گالی دینے سے اس کو تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، البتہ جیتے ہوئے کو آزار پہنچتا ہے۔

**۹ھ:** ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبد القیس سے ملاقات کے لیے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں موخر کر دیں اور انھیں عصر کے بعد ادا فرمایا (بخاری، رقم ۱۲۳۳)۔ دوسری روایت حضرت ام سلمہ ہی سے یوں مروی ہے: ظہر کے فوراً بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تقسیم کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنا میں عصر کی اذان ہو گئی۔ عصر پڑھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر آئے اور رہ

جانے والی دو رکعتیں ادا فرمائیں (موسوعہ مسند احمد، رقم ۲۶۵۶۰)۔حضرت عائشہ نے ان رکعتوں کو معمول بنا لیا تو حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر اور حضرت مسور بن مخرمہ نے اعتراض کیا۔انھوں نے معترضین کو حضرت ام سلمہ کے پاس بھیج دیا۔حضرت ام سلمہ نے بتایا کہ آپ نے وضاحت فرمائی تھی کہ یہ ظہر کی رہ جانے والی رکعتیں تھیں (بخاری، رقم ۴۳۷۰۔مسلم، رقم ۱۸۸۵۔ابوداؤد، رقم ۱۲۷۳)۔

**۹ھ:** غزوۂ تبوک میں حضرت کعب بن مالک، حضرت ضرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ تین مخلص صحابہ تھے جو محض کسل مندی کی وجہ سے تبوک نہ پہنچ سکے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بائیکاٹ کا حکم ارشاد کیا جو پچاس دن جاری رہا۔اس دوران میں یہ توبہ و استغفار کرتے رہے۔پچاسویں رات کا تہائی حصہ رہتا تھا جب ان کی توبہ قبول ہونے کا حکم نازل ہوا۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے ہاں تھے۔ام سلمہ نے پوچھا: میں انھیں مبارک باد نہ کہلا بھیجوں؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کا ہجوم ہو جائے گا اور تم رات بھر سو نہ سکو گی۔چنانچہ آپ نے فجر کے وقت ان اصحاب کا بائیکاٹ ختم کرنے کا اعلان کیا (بخاری، رقم ۴۶۷۷۔موسوعہ مسند احمد، رقم ۲۷۱۷۵)۔حضرت ام سلمہ کے سگے بھائی حضرت مہاجر بن ابوامیہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔حضرت ام سلمہ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھو رہی تھیں، کہا: میری کیا زندگی ہو گی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بھائی پر غصہ کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا نرم ہوئے تو انھوں نے خادمہ کو اشارہ کیا کہ بھائی کو بلا لائے۔حضرت مہاجر نے خود بھی معافی مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوئے۔بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کندہ کا عامل مقرر فرمایا۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یسئلون

گفتگو: جاوید احمد غامدی
مرتب: رانا معظم صفدر

# خوابوں کی حقیقت

[''دنیا'' ٹی وی کے پروگرام ''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ'' میں میزبان
کے سوالوں کے جواب میں جناب جاوید احمد غامدی کی گفتگو]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

(۲)

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے خوابوں کے لیے جو مبشرات کی تعبیر اختیار فرمائی ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بتایا کہ آپ پر نبوت ختم ہوگئی ہے تو ارشاد فرمایا: 'لم یبق من النبوۃ إلا المبشرات'، یعنی نبوت اپنی حقیقت کے اعتبار سے ختم ہوگئی ہے، بس مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ مبشرات کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: 'الرؤیا الصالحۃ'، یعنی اچھا خواب[1]۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی خواب آ سکتا ہے۔ 'مبشرات' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا خواب بشارت ہی کی کوئی صورت ہوگا۔ جس میں، مثلاً یہ بتایا جائے گا کہ یہ انعام ہے، یہ تنبیہ ہے، یہ رہنمائی ہے، یہ مستقبل کی خبر ہے۔ لیکن یہ ساری چیزیں تمثیل کی صورت میں ہوں گی اور اس کی کوئی نہ کوئی تعبیر ہی کی جائے گی۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر اپنے والد کے سامنے یہ خواب سنایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ تین چاند میری آغوش میں اُتر آئے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے پوچھا کہ تمھارے خیال میں اس کی کیا تعبیر ہے؟ انھوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے ہاں اولاد ہوگی۔ یہ سن

[1] بخاری، رقم ۶۹۹۰۔

کر حضرت ابوبکر خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ کے جسد مبارک کو سیدہ عائشہ کے حجرے میں دفن کیا گیا تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ تمھارا پہلا چاند آغوش میں اُتر گیا ہے۔

سوال: کیا سچے خواب کی کوئی نشانیاں ہوتی ہیں؟

جواب: بعض اوقات آپ کا نفس مطمئن ہو جاتا ہے کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ بعض اوقات خواب پورا ہو جاتا ہے اور آپ اُس کی سچائی کا اندازہ کر لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات آپ کسی خاص مسئلے سے دوچار ہوتے ہیں۔ اُس کے بارے میں بہت متردد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے رہنمائی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اس صورت حال میں آپ کو خواب آتا ہے اور آپ کو گویا ایک اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ غالباً اللہ ہی نے رہنمائی فرمائی ہے۔ تاہم، یہ اطمینان ہی ہوتا ہے، یقین نہیں۔ پھر جب وہ پورا ہو جاتا ہے تو آپ اُس کی سچائی پر بھی یقین کر لیتے ہیں۔

خود میں آپ کو اپنا ایک خواب بتاتا ہوں جس سے آپ اس کی نوعیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ میرے ایک قریبی عزیز ایک مسئلے سے دوچار تھے اور معاملہ خرابی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے دل میں شدید خواہش تھی کہ یہ معاملہ جس سمت میں جا رہا ہے، اُس سمت میں نہ جائے۔ میں اس کے لیے پریشان بھی تھا اور اللہ سے دعا بھی کر رہا تھا۔ ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گاڑی ہے جس میں میں بھی بیٹھا ہوں اور میرے وہ عزیز بھی بیٹھے ہیں۔ وہ تیز رفتاری سے ایک ایسی سڑک پر بھاگ رہی ہے جس کے آخر میں دیوار ہے۔ ڈر ہے کہ یہ اُس دیوار سے ٹکرا جائے گی۔ مگر جیسے ہی وہ دیوار کے پاس پہنچتی ہے تو اُس کا رخ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس خواب کے بعد جب میری نیند کھلی تو مجھے ایک اطمینان حاصل ہوا کہ اب وہ معاملہ درست سمت میں آگے بڑھے گا اور عملاً ایسا ہی ہوا۔ اس طرح کی صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالباً اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ یہاں 'غالباً' کے لفظ کا استعمال ضروری ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں کہنا چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سوال: کیا کوئی شخص دماغی مشق کے ذریعے سے اس قابل ہو سکتا ہے کہ وہ جو چاہے، دیکھ سکے؟

جواب: اس کا جواب اثبات میں ہے۔ یعنی آپ ریاضتوں اور مشقوں کے ذریعے سے یہ صلاحیت اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں کہ اپنی مرضی کا خواب دیکھ لیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر آپ یہ صلاحیت بھی پیدا کر سکتے ہیں کہ سوئے بغیر بیداری کے عالم میں کوئی خواب دیکھیں۔ یہ انسانی نفس کی صلاحیت ہے جو بعض اوقات یہاں تک بھی develop کی جا سکتی ہے۔ میڈیکل سائنس نے ایسی دوائیں بھی ایجاد کر دی ہیں کہ اگر اُن کو استعمال کریں تو بیداری کے عالم میں خواب دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی چیز بعض ریاضتوں اور مشقوں کے ذریعے سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب کی بنیاد پر اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس واقعہ کی روشنی میں یہ فرمایئے کہ کیا کوئی شخص اپنے خواب کو بنیاد بنا کر کسی کو قتل کر سکتا ہے؟

جواب: کوئی شخص کسی بھی بنیاد پر کسی دوسرے شخص کو قتل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بتا دیا ہے کہ کسی انسان کی جان صرف دو صورتوں میں لی جا سکتی ہے: ایک یہ کہ اُس نے کسی کو قتل کیا ہو تو اُس کے قصاص میں اُس کی جان لی جائے۔ دوسری یہ ہے کہ وہ لوگوں کی جان، مال اور آبرو کے درپے ہو گیا ہو اور اس طرح فساد فی الارض کا مرتکب ہوا ہو تو اُسے قتل کی سزا دی جا سکتی ہے۔ مگر ان دونوں صورتوں میں بھی یہ ضروری ہے کہ اس کا فیصلہ نظم اجتماعی یا اس کے تحت کسی عدالت نے کیا ہو۔ لہٰذا کسی انسان کو کسی دوسرے کی جان لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

انبیا علیہم السلام کا معاملہ عام انسانوں سے مختلف ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہوتے ہیں۔ اُن پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ انھیں اگر کوئی خواب دکھایا جاتا ہے تو اُنھیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُن کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیے کہ اس واقعے میں دونوں اللہ کے پیغمبر ہیں، باپ بھی اور بیٹا بھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بتا رہے ہیں کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اُس کو اللہ کا حکم سمجھ کر یہ کہہ رہے ہیں کہ ابا جان، آپ اس پر عمل کیجیے۔ یہ حیثیت اب نہ کسی کو حاصل ہے اور نہ حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہم میں سے کوئی بھی اپنے خواب کی بنیاد پر کسی کی جان لینے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔ اللہ کے پیغمبروں کے معاملات کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سوال: خواب کی تعبیر کے بارے میں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ فرمایئے کہ خواب کی تعبیر کی صلاحیت God gifted ہوتی ہے یا کسی ماہر فن سے سیکھی جاتی ہے؟

جواب: جتنی صلاحیتیں بھی ہمارے اندر ہیں، وہ سب God gifted ہیں۔ اللہ ہی عطا فرماتا ہے۔ کوئی صلاحیت بھی باہر سے نہیں آتی۔ ہم اُس کو پالش کرتے ہیں اور تعلیم سے، تربیت سے، مشق سے، ریاضت سے اُس کو بہتر بناتے ہیں۔ جو چیز آپ کے اندر موجود نہیں ہے، وہ باہر سے پیدا نہیں کی جا سکتی۔ شاعری وہی کر سکتا ہے جس کو خدا نے موزوں ذہن دیا ہو۔ لیکن جب وہ ابتدا کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ مصرع سیدھا نہ ہو، قافیہ تنگ ہو، بندش بھی چست نہ ہو، الفاظ کے دروبست سے بھی واقفیت نہ ہو، پھر کوئی استاد اُس کی تربیت کرتا ہے، تعلیم دیتا ہے تو وہ اچھے شعر کہنے لگ جاتا ہے۔ ہماری تمام صلاحیتوں کا معاملہ یہی ہے۔

جانوروں میں بھی آپ دیکھ لیجیے۔ جو خصوصیات اللہ تعالیٰ نے کتوں میں ودیعت کی ہیں، کیا وہ بلی میں یا شیر میں پیدا کی جا سکتی ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ اللہ نے عطا فرما دیا ہے، اُس کو آپ بہتر کر سکتے ہیں، کمال پر پہنچا سکتے ہیں اور اعلیٰ تربیت کر کے اُس کو ایسی غیر معمولی حیثیت دے سکتے ہیں کہ لوگوں کے لیے حیرت انگیز ہو جائے۔

آپ یہ سب کر سکتے ہیں، لیکن کوئی چیز اگر اندر موجود نہیں تو وہ پیدا نہیں کی جا سکتی۔

جہاں تک خوابوں کی تعبیر کا معاملہ ہے تو اگر کسی آدمی کے اندر فطری طور پر تمثیلات کو سمجھنے کی صلاحیت موجود ہے تو وہ اسے تعلیم و تربیت اور مشق اور ریاضت سے بہتر کر سکتا ہے۔ وہ انسانوں کی شخصیات کا مطالعہ کرے گا، اُن کے خوابوں پر غور کرے گا، اُن کے تمثیلی پہلوؤں کو سمجھے گا اور آہستہ آہستہ اس قابل ہو جائے گا کہ اس معاملے میں لوگوں کی رہنمائی کر سکے۔

سوال: خواب کی تعبیر کس سے پوچھنی چاہیے؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کی روشنی میں اس کی وضاحت فرما دیجیے۔

جواب: اپنے خواب کی تعبیر سب سے پہلے اپنے آپ سے پوچھنی چاہیے۔ اس لیے کہ ہر شخص اپنے احوال کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ بعض اوقات آدمی خود کسی فیصلے تک نہیں پہنچ پاتا تو اس صورت میں کسی ایسے شخص سے مشورہ بھی کر سکتا ہے جو تمثیل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تمثیل کو سمجھنے کی غیر معمولی صلاحیت دی ہوتی ہے۔ اس کی ایک بڑی نمایاں مثال سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں۔ انھوں اپنے زنداں کے ساتھیوں کی اور بادشاہ کے خوابوں کی ایسی غیر معمولی تعبیر کی کہ جو کچھ انھوں نے کہا بعینہٖ وہی حقیقت بن کر سامنے آیا۔ اس میں ہمارے سمجھنے کے لیے دو باتیں اہم ہیں: ایک یہ کہ دونوں خواب پیغمبر کو نہیں، بلکہ عام انسانوں کو آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عام انسانوں کو بھی اللہ کی طرف سے سچا خواب آ سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ ان میں تمثیل کا طریقہ اختیار کیا گیا تھا، حقیقت نہیں دکھائی گئی تھی۔ ساتھی قیدیوں میں سے ایک نے اپنے آپ کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا تھا اور دوسرے نے یہ دیکھا تھا کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہے جس میں سے چڑیاں کھا رہی ہیں[۲]۔ بادشاہ نے دیکھا تھا کہ سات موٹی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری اور سات سوکھی بالیاں ہیں[۳]۔ یہ ساری تمثیلات تھیں جن کی حقیقت یہ تھی کہ ایک قیدی رہا ہوگا اور بادشاہ کو شراب پلانے پر مامور ہوگا، دوسرا سولی چڑھے گا اور اس کے سر کو پرندے نوچیں گے[۴] اور ملک میں سات سال تک خوب کھیتی ہوگی اور سات سال تک قحط رہے گا[۵]۔ اس سے واضح ہوا کہ سچا خواب بالعموم تمثیل کی صورت میں ہوتا ہے جس کی تعبیر کی جاتی ہے۔

---

۲۔ یوسف ۱۲: ۳۶۔

۳۔ یوسف ۱۲: ۴۳۔

۴۔ یوسف ۱۲: ۴۱۔

۵۔ یوسف ۱۲: ۴۷۔ ۴۸۔

# ادبیات

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

○

ہم اُن کو بھلا دیں، یہ ارادہ بھی نہیں تھا
رنج اُن سے کبھی اتنا زیادہ بھی نہیں تھا

شاطر کے اشاروں ہی پہ چلتا رہا، لیکن
بے گانۂ احوال پیادہ بھی نہیں تھا

وہ لوگ بھی کیا تھے کہ وہاں نغمہ سرا تھے
جس شہر میں ایک آدمی زادہ بھی نہیں تھا

ساقی سے گلہ کیا ہے کہ جس کے لیے آئے
مے خانے میں وہ ساغر و بادہ بھی نہیں تھا

ہم جس کے مسافر تھے، وہ منزل نہیں آئی
دیکھا تو قدم برسرِ جادہ بھی نہیں تھا

درویش خدا مست تھا، رخصت ہوا ہم سے
سادہ سا وہ اک شخص کہ سادہ بھی نہیں تھا

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

Monthly
ISHRAQ
Lahore

October 2016
Vol.28 No.10
Regd. No. CPL- 183

Publisher : Javed Ahmad Ghamidi Printers : Qaumi Press, 50 Lower Mall Lahore

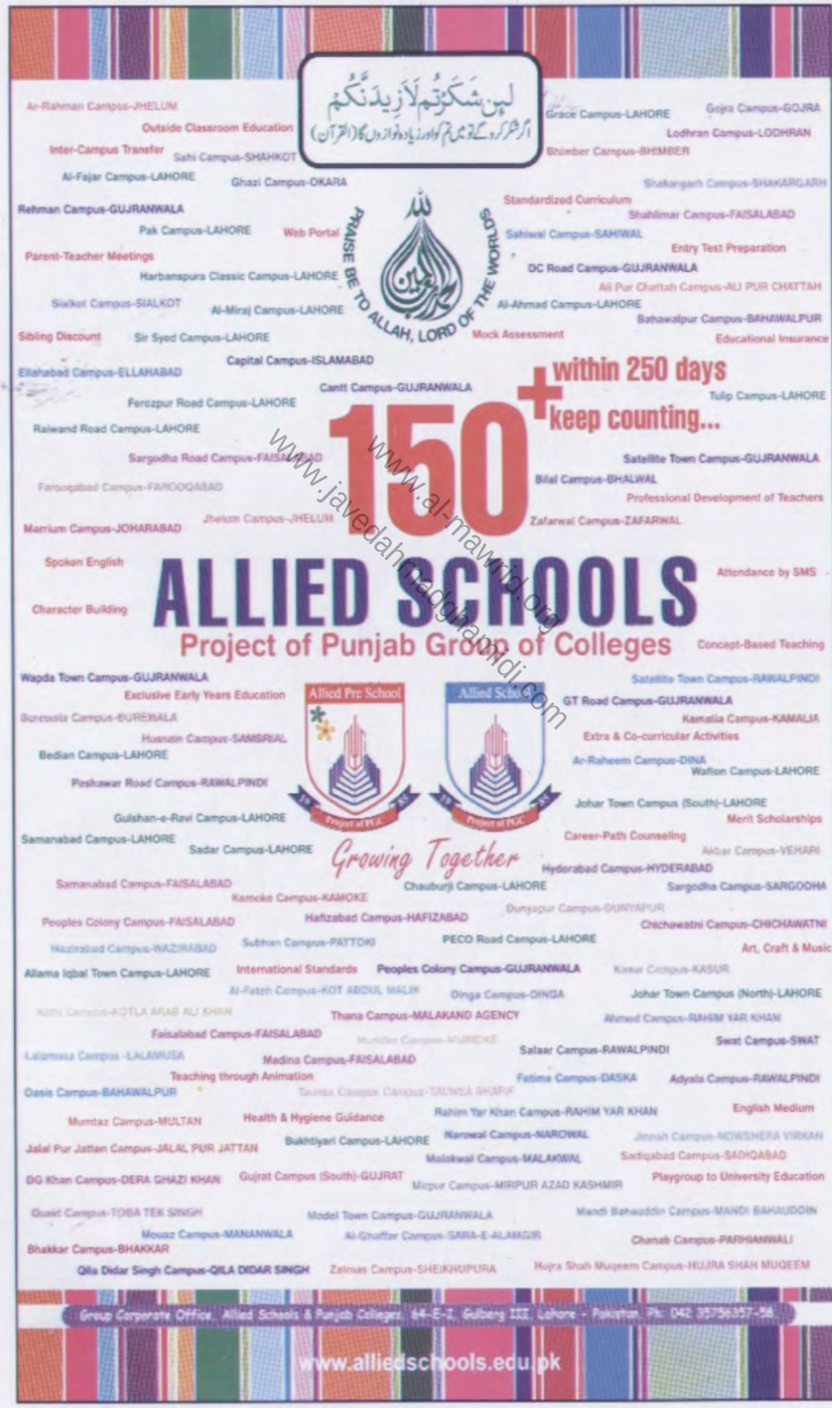


www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org